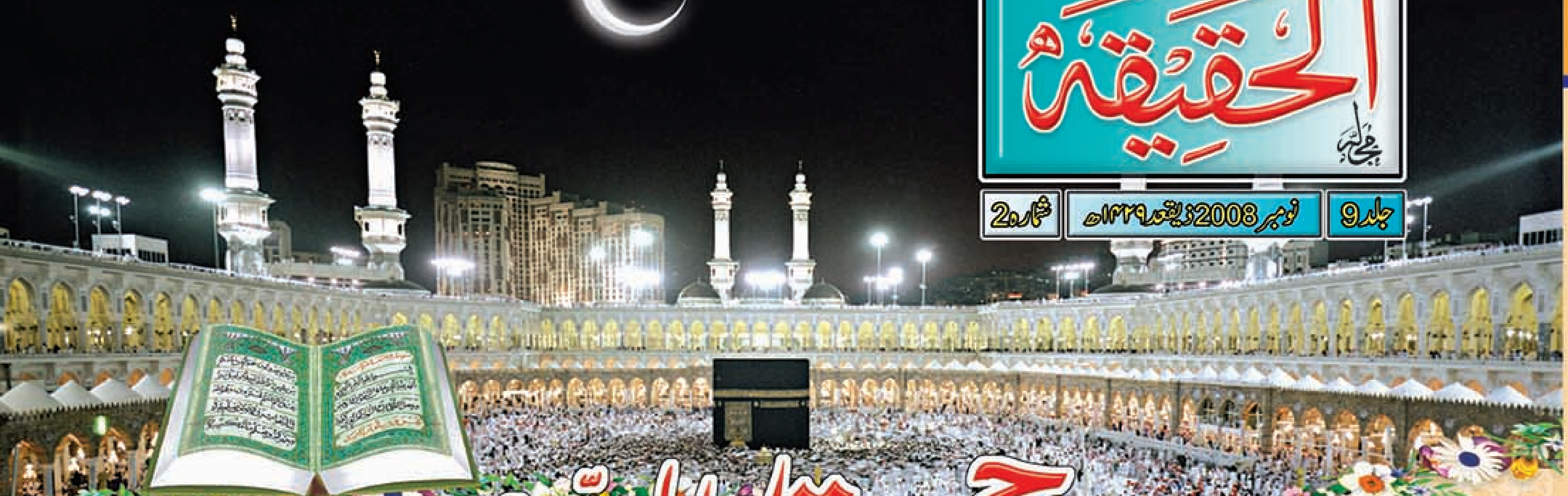
مجلہ
ماہنامہ
الحقیقہ
پاکستان

جلد 9 | نومبر 2008 ذیقعد ۱۴۲۹ھ | شمارہ 2



حج اور عقائدِ اہلسنت

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

اتحادِ ملت کی ضرورت و صورت

وزیرِ اعظم پاکستان کی خدمت میں

اداریہ



علامہ شاہ احمد نورانی

کی ۱۹۷۳ء کے دستور کو

اسلامی رنگ دینے کے لئے آئینی و پارلیمانی جدوجہد



رحمۃ اللہ علیہ

حضور نقش لاثانی

کا سفرِ حج

نعت شریف

تمہیں بخت رسا سے بیر کیوں ہے
خدا و مصطفٰے سے بیر کیوں ہے
جب ان کا نجدیو پڑھتے ہو کلمہ
تو پھر شاہ ہدیٰ سے بیر کیوں ہے
پکاریں 'یا' سے ہم اپنے نبی کو
بتاؤ ، تم کو 'یا' سے بیر کیوں ہے
نہیں ان کی خلافت راشدہ کیا
علی المرتضٰے سے بیر کیوں ہے
ارے اے شرپسندو ، شر پرستو
تمہیں خیرالنساء سے بیر کیوں ہے
شہید کربلا نے دیں بچایا
شہید کربلا سے بیر کیوں ہے
تمہارا گیارھویں نے کیا بگاڑا
تمھیں غوث الوریٰ سے بیر کیوں ہے
خدا سے ہے اگر کچھ بھی تعلق
تو اس کے اولیاء سے بیر کیوں ہے
ملی توحید جن کے دم قدم سے
انہی اہلِ صفا سے بیر کیوں ہے
علمبردار ہے عشق نبی کا
تمہیں احمد رضا سے بیر کیوں ہے
یہ آسی نقشؔ لاثانی کا سائل
بھلا اس خوش ادا سے بیر کیوں ہے

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

یونس-۶۲

ترجمہ: سُن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم

کلمۃ الحقیقہ — اداریہ

وزیرِاعظم کی خدمت میں

ادارہ

گذشتہ دنوں وزیرِاعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی صاحب نے انکشاف کیا کہ بانی پاکستان قائدِاعظم کے جدِامجد غیر مسلم تھے اور ہمارے جدِامجد نے قائدِاعظم کے بزرگوں کو مسلمان کیا اور یہ کہ مورخین نے لکھا ہے کہ یہ ایک الہامی فیصلہ تھا کیونکہ غوثِ اعظم کی اولاد کو اس خطے میں آنا تھا ور قائدِاعظم کے جدِامجد کو مسلمان کرنا تھا اور قائد نے اس دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست قائم کرنا تھی۔(نوائے وقت۔19اکتوبر2008ء)

ہمیں آپ کے اس دعوے سے ہرگز انکار نہیں لیکن کچھ تبصرہ مقصود ہے۔اس فخریہ بیان سے چند باتیں معلوم ہوئیں

۱......آپ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔

۲......قائدِاعظم کے جدِامجد آپ کے جدِامجد کی دعوت پر مسلمان ہوئے۔

۳......آپ کے اسلاف کی تربیت کا فیضان تھا کہ قائدِاعظم نے اس خطے کے حصول کا معرکہ سر کیا۔

جناب وزیرِاعظم صاحب!حضور غوثِ پاک رحمۃ اللہ علیہ کی اولادِ پاک سے ہونے کی حیثیت سے تو آپ کو ان کی فکر کا وارث ہونا چاہئے اور قول وفعل میں ان کی تعلیمات کی جھلک نظر آنی چاہئے۔بقول حکیم الامت

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر لائقِ میراثِ پدر کیونکر ہو

حضرت محبوبِ سبحانی،غوثِ صمدانی،شہبازِ لامکانی قدس سرہ توحیدِ خالص،اطاعتِ رسولِ مقبول ﷺ،اقامتِ دینِ مبین اور احیائے اسلام کے عظیم علمبردار تھے۔دین اسلام کی بالادستی کیلئے ان کی کاوشیں اور جدوجہد کسی صاحبِ علم سے مخفی نہیں۔جس اسلام کی سربلندی کے لئے آپ کے جدِامجد نے دن رات ایک کر دیا آپ ان کے اس مشن سے کس حد تک مخلص ہیں،یہ آپ خود اچھی طرح سمجھتے ہیں۔اس نسبت کے سبب اہلِ اسلام کی بھلائی وخیرخواہی کا مادہ جس قدر آپ میں ہونا چاہئے تھا ہمیں نظر نہیں آرہا،یہ کس

قدر افسوس ناک امر ہے۔

پھر آپ کے جدِ امجد سیدنا غوثِ اعظم قدس سرہ فرماتے ہیں

''ہمیشہ رسولِ کریم ﷺ کے مبارک نقشِ قدم پر چلو کیونکہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے کہ

' قُل اِن کُنتُم تُحِبونَ اللّٰہ فاتبِعُونِی یُحبِبکُمُ الله '

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

' مَا اٰتکُمُ الرَسُولُ فَخُذُوہُ وَمَا نَھٰکُم عَنہُ فَانتَھُوا '

لہٰذا کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کا دامن کسی حال میں بھی نہ چھوڑو''

یعنی کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت و الفت اور ان دو انوار سے وابستہ ہو کر زندگی گذارنے کا درس دیا ہے۔ آپ کی وابستگی کا اندازہ ہمیں تب ہوتا جب آپ برسرِ اقتدار آ کر نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کا اعلان کرتے یا اس ضمن میں کوشش کرنے کا عندیہ دیتے، لیکن قوم اس قسم کے کسی اشارے کو ترستی ہی رہی۔ اور تو اور آپ کے حکمران ٹولے کے دیگر وہ افراد جو مذہب کا نام لے کر اور نظامِ قرآن و سنت کے نعرے لگاتے برسرِ اقتدار آئے تھے، ان کی خاموشی ہمیں حیران کر گئی۔ یعنی آپ کی جماعت میں کثیر تعداد ان لوگوں کی ہے جو مخدوم زادے، کسی نہ کسی گدی کے وارث یا پیرزادے کہلاتے ہیں لیکن ان کے لبوں پر تالے کس نے لگا دیئے اور ان کے ہاتھ پیر کیوں شل ہو چکے ہیں؟

پھر آپ فخر کے ساتھ یہ انکشاف کر رہے ہیں اور تاثر دے رہے ہیں کہ میرے بزرگ کسی الہام یا اشارے پر اس علاقے میں قائدِ اعظم کے خاندان کو مسلمان کرنے آئے اور انہی کی مدد سے قائد حصولِ پاکستان میں کامیاب ہوئے۔ اس اعتبار سے قائدِ اعظم آپ کے بزرگوں کے عطا کردہ مشن کے علمبردار تھے یعنی

''ایک خطہء ارضی کا حصول جہاں اسلام کے اصولوں پر عمل پیرا ہوا جا سکے'' کا جو نعرہ قائد نے لگایا تھا (اسلامیہ کالج پشاور میں 13 جنوری 1948ء) وہ آپ کے بڑوں کا عطا کردہ تھا۔

قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بزرگوں کے عطا کردہ مشن کو پایہء تکمیل تک پہنچانے کیلئے دن رات ایک کر دیا لیکن کیا آپ خود ان کے مشن کے ساتھ مخلص ہیں۔ آپ نے انتھک محنتوں اور بے لوث قربانیوں سے حاصل ہونے والے اس ملک کو کیا دیا یا جس کٹھن دور سے یہ گزر رہا ہے اسکی سلامتی اور باوقار مقام تک رسائی کیلئے کیا پروگرام ترتیب دیا ہے۔

''قائدِ اعظم نے فرمایا تھا'' اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابلِ اطلاق ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے'' (بار ایسوسی ایشن 25 جنوری 1948)

آپ کو اس بات کی سمجھ کیوں نہیں آتی؟

قائد نے آپ کے آباؤ اجداد کی تعلیمات سے مستفید ہو کر اسلامی حکومت کا تصور اس طرح سمجھایا تھا

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ جس کی تعلیم کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ پارلیمنٹ کی، نہ کسی شخص یا ادارے کی۔ قرآنِ حکیم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کر

سکتے ہیں۔دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قرآنی اصول واحکام کی حکومت ہے'' (تعلیمات قائد:ص78)

آپ اطاعت اور وفاکشی کا مرجع خدا کی ذات کو سمجھتے ہوئے امریکہ کی غلامی سے کیوں آزادنہیں ہوجاتے اور قرآنی احکام واصول کی حکومت کا اعلان کر کے اس مادی دنیا میں ہی نہیں دوسرے جہاں میں بھی سرخرو کیوں نہیں ہوجاتے ؟

آپ قبائلی علاقوں میں اپنے بھائیوں کا خون بہا کر ملک وقوم کا باغی بنانے کی بجائے قائد کے اس فرمان کو پیشِ نظر کیوں نہیں رکھتے کہ

'' آپ اپنی اس طرح تنظیم کیجئے کہ پوری قوم اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ایک نکتے پر جمع ہوجائے اور ملت اسلامیہ کی معاشرتی، اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے لئے تعمیری لائحہ عمل ترتیب پاجائے، ثقافتِ اسلامی اور تعلیماتِ محمدی (ﷺ) کا احیاء کیجئے'' (آل انڈیا ایم ایس ایف جالندھر 15 نومبر 1940ء)

سمجھئے! اور فرمان قائد کی روشنی میں خوب اچھی طرح سمجھئے کہ

''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوہ حسنہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمارے لئے بنایا ہے۔ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں'' (شاہی دربار سبی بلوچستان۔14 جولائی 1947ء)

محترم وزیر اعظم! آج آپ کی حکومت امریکہ کے شکنجے میں بری طرح جکڑی ہوئی ہے اور اس شکنجے سے نکلنے کے لئے آپ فیصلہ نہیں کر پارہے حالانکہ اسی اتحادی جنگ کا نتیجہ ہے کہ ہمارے داخلی وخارجی حالات خطرے کی گھنٹی بجا رہے ہیں۔ملک کے بہی خواہ ودانشور چیخ رہے ہیں۔قبائلی علاقوں میں شورش، ملک دشمن فکر میں اضافہ، بڑھتے ہوئے خودکش حملے، مہنگائی اور فحاشی کا سیلاب، بدترین لوڈ شیڈنگ اور نتیجتاً معیشت کی ریکارڈ بدحالی، کیا یہ تمام صورتحال اس فیصلے تک پہنچنے کا تقاضا نہیں کررہی کہ ہمیں امریکی مفادات سے قطع تعلق کرلینا چاہئے۔لیکن آپ ہیں کہ

ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں، توڑ دیتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہوجائے ، کہیں ویسا نہ ہوجائے

اے سیدزادے! کیا آپ کو یادنہیں کہ آپ کے جدامجد سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقت کے جابرترین 'شیطان' کا مقابلہ کر کے متعدد اہلِ بیت اور دیگر رفقاء کی شہادت کے خون سے چمنِ اسلام کو یزیدی صرصر سے بچالیا تھا اور آپ ہیں کہ دور حاضر کے بدترین 'یزید' بش (اور امریکہ) کی خوشنودی کے لئے ایمان وایقان کی دولت کو خیر باد کہہ رہے ہیں۔

اے ہمارے محترم وزیر اعظم صاحب! اپنے منصب کو پہچانئے، اپنے سید ہونے کا احساس کیجئے، اپنے آقا ومولا نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کے ساتھ اپنی نسبت کو دیکھئے۔حضور ﷺ کی امت کے ساتھ خیر خواہی کیجئے اور ان کی بھلائی وترقی کے لئے بہترین پالیسیاں وضع کریں۔اسلام دشمن اور ملک دشمن طاقتوں کا دانستہ یا نادانستہ آلہ کار نہ بنئے اور اپنے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچئے۔

نہ جا اس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی
ڈر اس کی سخت گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

اتحاد ملت

کی ضرورت و صورت

قسط:18

حضور مفکر اسلام
پروفیسر محمد حسین آسی
علیہ الرحمہ

باغیانہ انداز فکر: آپ نے دجال کے بارے میں 'مولانا' مودودی کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمایا۔ وہ جن حدیثوں کے مضمون سے اتفاق نہیں کرتے، انھیں ضعیف، منقطع یا موضوع نہیں کہہ رہے۔ انھیں یقین ہے کہ یہ سب حضور پرنور ﷺ کے ارشادات ہیں، اس کے باوجود اختلاف کر رہے ہیں اور اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ سب کچھ بغیر علم کے اپنی طرف سے فرمایا تھا، خدا کی طرف سے نہیں اور اس کا حضور پرنور ﷺ کو علم ہی نہیں دیا گیا تھا بلکہ حضور ﷺ نے محض اپنے قیاس سے یہ سب کچھ فرمایا تھا۔ اگر وہ حدیث کو موضوع اور منقطع وغیرہ کہتے تو اس کی زیادہ سے زیادہ زد محدثین اور حدیثوں کے راویوں پر پڑتی مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ روایات کو تسلیم کر کے اعتراض کیا تو حضور پرنور ﷺ کے علم پر کیا اور اختلاف کیا تو کسی محقق، محدث، مجدد سے نہیں خود اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا۔ فرمایئے کیا اس شوریدہ سری کا جواب ہو سکتا ہے؟۔ نبی کو نبی مان کر اور ان کے ارشاد کو ان کا ارشاد مان کر پھر انکار کرنا یا اسے قیاس آرائی قرار دینا کتنا ظلم، کیسی سرکشی اور بغاوت ہے۔ سوچئے یہ بغاوت ہے تو کس سے اور انکار ہے تو کس کا۔

میری ملت کے غیور فرزندو، بتاؤ ایسی روایات جن کو مودودی حضور پرنور ﷺ کی قیاس آرائی پر مبنی قرار دے رہا ہے، کیا ان کے بارے میں خود زبان نبوت سے کبھی یہ اعلان ہوا کہ ان کا دارومدار قیاس آرائی پر ہے۔ اور اگر حضور پرنور ﷺ نے دجال کے بارے میں قیاس آرائی فرمائی ہے تو اور کس کس موضوع پر نہیں فرمائی ہوگی۔ ذرا خیال فرمایئے ارشادات نبوت کے بارے میں یہ بحث تو صدیوں سے جاری ہے کہ فلاں حدیث کی سند ضعیف ہے یا قوی، متواتر ہے یا شاذ، مگر یہ بحث کبھی نہیں ہوئی کہ حضور ﷺ نے فلاں ارشاد تو وحی الٰہی کی بنا پر فرمایا اور فلاں محض قیاس آرائی سے، نیز جو قیاس آرائی سے فرمایا وہ خلاف حق ہو سکتا ہے اور اگر اس ناپاک نقطہ نظر کو تسلیم کر لیا جائے تو کیا حدیث کی حجیت کا عقیدہ مجروح نہیں ہوگا بلکہ بتایئے اطاعت رسول ﷺ کا کیا مفہوم رہ جائے گا اور اطاعت رسول کیونکر ممکن ہوگی، اب سنئے اس زبان پاک کے بارے میں اس نبی اکرم ﷺ کا اپنا ارشاد (ایک طویل حدیث کا آخری جملہ)

فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا حق (ابوداؤد۔ کتاب العلم)

ترجمہ:۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس (منہ) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

ممکن ہے مولانا اسے بھی قیاس آرائی ہی قیاس فرمائیں اور چونکہ حدیث کے پرانے ذخیرے سے انھیں انکار و وحشت ہے لہٰذا ان کے نزدیک اس ارشاد عالی کی قدر و قیمت اور بھی گھٹ گئی ہوگی (کیونکہ آپ جانتے ہیں تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیرے ان کے نزدیک (معاذ اللہ) کوئی وزن نہیں رکھتے) تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے انھیں صرف ایسی روایات ہی قبول ہیں جن میں اللہ والوں کی تنقیص کا پہلو نکل سکتا ہو۔

خیر ان کی بات چھوڑیئے، یہاں ہم اتنی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں 'حضرت مولانا' کو محبوب اکرم سرور عالم ﷺ کی زبان پاک پر جتنا 'ایمان' ہے، اس سے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ بدترین کفار قریش کو زیادہ اعتماد تھا۔ چنانچہ جب حضور پرنور ﷺ انھیں سرزنش کرتے ہوئے کچھ فرمادیتے تھے (کہ ایسا ہوگا) تو انھیں یقین کامل ہوتا تھا کہ ایسا ہوکر رہے گا۔ اس قسم کے بیشمار واقعات کتب سیرت کی زینت ہیں، طوالت کے خوف سے ان سب کو نقل نہیں کیا جا سکتا۔ صرف ایک واقعہ یہاں عرض کیا جاتا ہے۔

جب ابولہب کے دو بیٹوں نے حضور پرنور ﷺ کے روبرو آپ کی صاحبزادیوں کو طلاق دی تو ان میں سے ایک نے بدتمیزی بھی کی۔ اس کے بارے میں حضور ﷺ نے دعا فرمائی

اللھم سلط علیه کلباً من کلابک

ترجمہ:۔ اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرمادے۔

چناچہ ابولہب کو یقین تھا کہ ایسا ہوکر رہے گا، چنانچہ اس نے سخت احتیاطی تدابیر بھی کیں مگر محبوب خدا ﷺ کی زبان پاک کے الفاظ کیونکر بے اثر ہوسکتے تھے، لہٰذا ہوا وہی جو ہونے والا تھا۔

حقیقت یہ ہے (جیسا کہ پہلے بھی کہیں یہ بیان ہو چکا ہے) کہ چالیس سال تک اعلان نبوت نہ کرایا جانا اس بنا پر بھی تھا کہ اہل مکہ کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ حضور پرنور ﷺ کی زبان پاک سے خلاف واقعہ ایک حرف تک نہیں نکل سکتا۔ وہ اسی تصور سے 'الصادق' کہتے تھے۔ اس کا مفہوم یہی نہیں تھا کہ حضور ﷺ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، بلکہ یہ بھی تھا کہ جھوٹ سے آپ کی زبان پاک کا ملوث ہونا ناممکن ہے۔ یہ تصور اس لیے ضروری تھا کہ حضور ﷺ کو اپنے منصب نبوت کے تقاضے کے طور پر مخلوق کو عالم غیب کا تعارف کرانا تھا اور عالم غیب تو عقول وحواس دونوں سے بالاتر ہے، اس کی وضاحت صرف زبان نبوت ہی سے ہوسکتی ہے لہٰذا پہلے مخاطبین کو اس بات پر پختہ کیا جائے کہ جھوٹ ان کی زبان پر نہیں آسکتا، پھر بعثت ہو۔ کوہ صفا پر جب آپ نے اعلان نبوت فرمایا تو اس کی ابتداء اس جملے سے فرمائی تھی۔

ارء یتم ان اخبرتکم ان خیلاً تخرج من صفح ھذا الجبل وفی روایة ان خیلاً تخرج بالوادی ترید ان تغیر علیکم ا کنتم مصدقی

ترجمہ:۔ (لوگو) کیا خیال ہے اگر میں خبر دوں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف سوار ہیں (دوسری روایت کے مطابق فرمایا بتاؤ میں اگر تمھیں خبر دوں کہ سوار اس وادی سے نکل کر تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو کیا میری تصدیق کروگے۔

اس کے جواب میں سب نے بیک آواز کہا

نعم ما جربنا علیک الا صدقاً (بخاری، مسلم)

ترجمہ:۔ ہاں! ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے ہی سنا ہے

زبان پاک کی اس حمیت کا ابوجہل تک قائل تھا چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر راستے میں اخنس بن شریق نے ابوجہل سے حضور ﷺ کی صداقت کے متعلق پوچھا تو وہ بولا

کیف یکذب علی اللہ وقد نسمیه الامین لا نه ما کذب قط لکن اذا کانت فی عبد مناف السقایة والرمادة والمشورة ثم تکون فیھم النبوة فای شیی بقی لنا

ترجمہ: وہ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتے ہیں حالانکہ ہم خود انھیں امین کہا کرتے تھے، انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ لیکن بات یہ ہے کہ عبد مناف کے پاس پہلے ہی سقایہ، افادہ اور مشورہ کے اہم اور اعلیٰ مناصب ہیں اگر ان میں نبوت بھی آجائے تو ہما

رے لئے کیا باقی رہے گا۔

کچھ ایسا ہی مقصود تھا حضور ﷺ کے دوسرے لقب 'الامین' کو بعثت سے قبل زبان زدِ خلق کرانے کا، یعنی یہ عقیدہ مضبوطی سے ذہن نشین ہو جائے کہ جو شخصیت عام انسانوں کی امانتوں کے بارے میں خیانت نہیں کر سکتی (یعنی ان سے خیانت نہیں ہو سکتی) اس سے اللہ کی امانت کے بارے میں خیانت کیونکر ممکن ہے۔

مودودی صاحب کے اثرات: کتنے دکھ اور کتنے تعجب کی بات ہے کہ جناب مودودی کو حضور پرنور ﷺ کی زبان وحی ترجمان پر اتنا اعتماد بھی نہیں ہے جتنا ابوجہل اور اس کی پارٹی کو تھا اور پھر وہ اسی بے اعتمادی کو اپنے جیالوں کے ذہنوں میں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان کے ماننے والے حضور پرنور ﷺ کو بالکل انھیں کی طرح مانتے ہیں اور یہ بات ان کے رگ وریشہ میں بھی سما چکی ہے کہ حضور ﷺ کی زبان پاک سے معاذ اللہ غیر حق اور خلاف واقعہ بھی کوئی بات آ سکتی ہے، ہاں اتنی بات بالکل ظاہر ہے کہ دانستہ یا نادانستہ عملی طور پر مودودی کے بارے میں ان کا یہی یقین ہے کہ غلط و خلاف واقعہ بات ان کی (یعنی مودودی کی) زبان پر نہیں آ سکتی۔ اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مودودی صاحب نے اگر کاملانِ امت کے بارے میں ہرزہ سرائی کی تو انھوں نے ایمان بالغیب کی طرح اسے تسلیم کیا، اگر معاذ اللہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف زہر افشانی کر تے رہے تو ان کے حلقہ بگوشوں نے حضور ﷺ کی صحبت کی برکات واثرات کو نظر انداز کر دیا مگر مودودی صاحب کی عقیدت میں کوئی کمی نہ آنے دی، اگر معاذ اللہ وہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے کمالات سیرت واخلاق کے انکار پر کمربستہ ہو گئے تو ان کے پروردگان ناز کے ماتھے پر بل نہیں آیا بلکہ اپنے آقا و مولا (مودودی) کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے، اور آمنا وصدقنا کہتے رہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کے معصوم انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی عصمت کے خلاف محاذ آرا ہوئے تو ان کے بندگان بے دام کو اللہ تعالیٰ کا خوف دامنگیر ہوا نہ اس کے محبوبان کرام علیہم السلام کی عظمت کا احساس انھیں لاحق ہوا بلکہ مودودی کا آستانِ ناز ہی جبین عقیدت کی سجدہ ریزیوں کے لئے کافی نظر آیا اور معاذ اللہ، معاذ اللہ اسے اگر اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے رسول، سب سے اعلیٰ حبیب اور سارے معصوموں کے سردار حضور رحمۃ للعلمین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی کسی عظمت سے انکار کی سوجھی تو اس کے متوالوں کو اپنے کلمے کا خیال بھی نہ آیا، جو مودودی نے کہا، من وعن قبول کیا اور جو اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا، اس سے منہ پھیر لیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کی جو شان قرآن پاک میں بیان کی، اس سے بھی آنکھیں بند کر لیں۔

مختصر یہ کہ مسلمانوں کو جو ایمان حضور پرنور ﷺ کی زبانِ پاک پر ہوتا ہے، جماعت اسلامی کے جیالوں کو اس قسم کا ایمان اگر ہے تو مودودی کی زبان پر ہے۔ مثلاً یہی بات کہ حضور پرنور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا کہ 'میری زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا'۔ دوسرے لفظوں میں یہ مقام نبوت کی توضیح ہے مگر حضور پرنور ﷺ کا کلمہ پڑھنے اور آپ کو نبی تسلیم کرنے کے باوجود مودودی کا جیالا اس ارشاد کو بارگاہ مودودیت میں پیش کرتا ہے، وہاں سے اس کی منظوری نہیں ملتی تو وہ معاذ اللہ حضور پرنور ﷺ سے منہ پھیر کر عملاً یہی عقیدہ مودودی کی زبان کے بارے میں اختیار کر لیتا ہے۔ لہٰذا ان کا آخری فیصلہ کتاب وسنت سے نہیں، مودودی کے ہاں ہوتا ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ یہ چند جملے جن میں مولانا مودودی پر تنقید کی گئی ہے بہت سخت ہیں، مگر از راہ کرم کوئی شخص بھی غیر جانبدارانہ تحقیق کر کے بتائے کہ اس میں کونسی بات خلاف واقعہ ہے۔ اولیاء عظام اور صوفیہ باصفا سے حضرت مودودی کو کد سہی، صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل تو آیات وروایات میں جابجا ہیں بلکہ قرآن میں تو انھیں حسن ایمان وعمل کا معیار ٹھہرایا گیا ہے، پھر بھی زبان مودودی نے انہیں معاف نہیں کیا۔ عصمت انبیاء علیہم السلام کے عقیدے میں اسلام اور عیسائیت کا باہم اختلاف تھا۔ اہل اسلام سب اس میں متفق تھے۔ یہ مودودی صاحب کی برکت ہے کہ اب اس میں گویا اسلام اور جماعت اسلامی کا بھی اختلاف رونما ہو گیا۔ ہاں ہاں بتایئے مودودی کی شیطانی نظر کو تو حضور سید المعصومین ﷺ کی ذات بے عیب میں بھی معاذ اللہ معاذ اللہ بشری کمزوریاں نظر آتی ہیں، کسی مودودی کو مودودی میں بشری کمزوریاں نظر کیوں نہیں

آتیں۔ ہاں ہاں جس کا رب ارحم واکرم جل مجدہ یہ سند عطا فرماتا ہے

وانک لعلی خلق عظیم o (القلم۔۴)

ترجمہ: اور بیشک ضرور آپ بہت بڑی شان والے خلق پر ہیں۔

اور جسے دائمی حسن کا پیکر بنا کر اعلان کر دیا گیا

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب:۲۱)

ترجمہ:۔ بیشک اللہ کے رسول میں تمھارے لیے نہایت حسین نمونہ ہے۔

پھر جسے قرآن پاک نے 'نور' (سراسر روشنی) فرمایا بلکہ سراجاً منیراً (یعنی چمکا دینے والا آفتاب) فرمایا اسی ذات اقدس ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہوئے اسی کے خلاف یہ جارحانہ وباغیانہ انداز، اسی کو جچتا ہے جس کا سینہ کفر ونفاق کی ظلمتوں کی آماجگاہ ہو چکا ہو۔

وہ ذات اقدس ﷺ جس کے بارے میں شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت یہ فرماتے ہیں

و احسن منک لم ترقط عینی — واجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرا من کل عیب — کانک قد خلقت کما تشاء

ترجمہ: یارسول اللہ! ﷺ آپ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی دیکھا ہی نہیں بلکہ آپ سے زیادہ جمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا آپ جیسا چاہتے تھے ویسے پیدا کئے گئے ہیں۔

مگر جناب مودودی کو کتاب وسنت کی تصریحات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد ونظریات سے کیا غرض؟ وہ تو بزعم خویش 'مجدد کامل' ہیں، وہ تو تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔ انھیں نئی دنیا کو نیا اسلام' نئے عقائد' اور نیا نظام عطا فرمانا تھا، فرما کے چل دیئے اور جیتے تو کچھ اور کرتے مگر 'اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'

اصل مسئلہ: یہ ایک دلخراش داستان ہے جو جتنی پھیلانا چاہیں پھیلتی جائے مگر چونکہ ہم اپنا نقطہ نظر واضح کر چکے ہیں لہذا اسے زیادہ طول دینا مناسب نہیں۔ ہاں اس کا لب لباب یہی ہے کہ حضور پرنور ﷺ ہمارے نبی ورسول ہیں، وہ ہمارے ایمان میں شامل ہی نہیں بلکہ اصل ایمان اور جان ایمان ہیں۔ ان کے برابر اللہ تعالیٰ نے کسی نبی ورسول علیہ السلام کو بھی مرتبہ نہیں دیا، چہ جائیکہ کسی اور کو ان سے برتر یا ان کا ہمسر قرار دے لیا جائے۔ اہل ایمان کے نزدیک تو کوئی امتی ان کے ایسے صحابی کے بھی برابر نہیں ہوسکتا جو محض ایک ساعت حضور پرنور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر رہا (اور دوبارہ حاضری کا شرف نہ پاسکا) چہ جائیکہ کوئی خود ان کے برابر ہو چنانچہ کسی نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ جیسے عظیم محدث سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا" وہ غبار جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ کئی مرتبہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے افضل وبہتر ہے (مکتوب ۲۶ دفتر اول)

ہمارے دور میں جب تمام عالم کفر یکجان و یکدل ہے اور ہر طرف سے اسلام کے خلاف یلغار ہو رہی ہے، ہماری آنکھوں کے سامنے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، پھر اس کے بعد دوسرے مسلمان ملک عراق کی باری آگئی اور یہاں بھی حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد سارے ملک کو بدترین ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ اب تک بدترین معاندانہ جارحیت سے اسے تہس نہس کیا جا رہا ہے۔ شام بھی دشمن کی ہٹ لسٹ پر ہے۔ کون نہیں جانتا پاکستان یہود وہنود کی نظر میں سب سے زیادہ کھٹکتا ہے اور بش کا ناپاک حوصلہ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے اس ملک میں بھی اپنی مرضی کے قوانین نافذ کرانا چاہتا ہے۔ یہاں این جی اوز نے اندھیر مچا رکھا ہے اور دین حق کے خلاف بیسیوں کتابیں شائع کر کے انھیں' عوام کالانعام' تک پہنچایا جارہا ہے۔ ایران کے بہائی مذہب کے نشر واشاعت کے لئے انتظامات ہو رہے ہیں، مرزائیوں کو جو کھلی چھٹی اب مل چکی

ہے، وہ اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ عیسائیوں، یہودیوں اور ملحدوں کی خوشنودی کے لئے حکومت توہین رسالت ایکٹ اور حدود آرڈیننس کو غیر موثر کرنے کے در پے ہے۔ صوبوں کی باہمی کشمکش کو ہوا دی جارہی ہے اور یہاں بھائی سے بھائی کو لڑانے کی کوششیں تیز ہیں۔ پاکستان سے جو وفد بھارت جاتے ہیں، ان کی بے غیرتی وہاں کئی گنا زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ عیاشی اور فحاشی کا طوفان بڑی تیزی سے نئی نسل کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ دہشت گردی ایسے عروج پہ ہے کہ صدر مملکت پر دوبار قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے۔ گذشتہ دنوں ڈاکٹر اسرار جیسے پراسرار شخص نے یہ نحوست انگیز خرافات بکی کہ 'نظریہ پاکستان (معاذ اللہ) دفن ہو چکا ہے' حکومت کو اسلام کی حمایت وحفاظت کی جرأت نہیں بلکہ کوئی ایسا کام کرنے کی بھی ہمت نہیں جو کم از کم معاشی طور پر ہی پاکستان کے لئے مفید ہو۔ خودکش حملے روکنے کے لئے صدر علماء سے فتوے کا مطالبہ کر رہا ہے مگر خود اسے کسی فتوے کی ضرورت نہیں۔

مسئلے کا حل: اس صورت حال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے اور قوم کے لئے سب سے زیادہ کس چیز کی ضرورت ہے۔ اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو قوم کو ایمان اور اسلام کی طرف لانے کی ضرورت ہے۔ غیر خدا کے خوف سے آزاد ہو کر کتاب وسنت کو عملاً نافذ کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی روشنی میں ایسے تمام فتنوں کو جڑ سے اکھاڑنے کی ضرورت ہے جو نخل اسلام کو گھن کی طرح چاٹنے کی کوشش نہیں کر رہے بلکہ ارّے سے معاذ اللہ چیر دینے کی فکر میں ہیں۔ ہاں ہاں اس وقت سب سے زیادہ جذبۂ ایمان کی ضرورت ہے اور اسی کا دوسرا نام ہے جذبۂ عشق رسول ﷺ، جذبۂ عشق رسول ﷺ ہی بیداریٔ ملت، آزادیٔ ملت بلکہ استحکام ملت کا ضامن ہے۔ اسی جذبے نے ہمیشہ شکست کو فتح میں تبدیل کیا اور سچ پوچھو تو یہی جذبہ ہماری سب سے بڑی دولت اور ہماری سب سے بڑی طاقت ہے۔ ہماری ملی زندگی کا اصل محور عشق رسول ﷺ ہی ہے اسی سے ہماری تشکیل ہوتی ہے اور یہی ہمارے لیے سرمایۂ بقا ہے۔ بدر وحنین کے معرکوں میں یہی اہل اسلام کا سب سے بڑا ہتھیار تھا اور یرموک اور قادسیہ کی جنگوں میں بھی یہی فتح کی بشارت بنا تھا۔ شوق شہادت اور جذبہ قربانی اسی عشق رسول ﷺ کی پیداوار ہے اور دشت کربلا میں اہل حق جو اپنے خون سے عزیمت واستقامت کی رنگین داستانیں رقم کر رہے تھے، اسی کا معجزہ تھا۔ امام اعظم ہوں کہ امام احمد بن حنبل، نور الدین زنگی ہوں کہ صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی کہ شہاب الدین غوری، سب اسی جذبے سے سرشار تھے (علیہم الرحمۃ والرضوان)۔ حق یہ ہے کہ ملت پہ جب بھی کوئی نازک وقت آیا، ملت کے ناخداؤں نے اسی کے ذریعے قوم کی کشتی کو ساحل آشنا کیا۔

حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جس جذبے کو بیدار کر کے ملت کو خواب گراں سے بیدار کیا تھا، یہی جذبۂ عشق تھا۔ آپ کے مکتوبات شریف پڑھئے، معلوم ہو جائے گا ہر تحریر جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق ومحبت میں ڈوبی ہوئی ہے، برصغیر کی پوری تاریخ میں محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کا ذکر جس جذباتی انداز میں امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی نے کیا ہے، یہ انھیں کا حصہ ہے، حضور پرنور ﷺ کے نور کا ذکر بلکہ نور خدا سے پیدا ہونے کا ذکر، حضور پرنور ﷺ کے علم وسیع کا ذکر، حضور ﷺ کے تصرفات ومعجزات کا ذکر، حضور پرنور ﷺ کے مشاہدۂ عام وخاص کا ذکر، پھر محبوب اعظم ﷺ کے مخصوص دائرہ امکان کا ذکر اور پھر ساتھ حضور ﷺ کی حاکمیت کا ذکر، اور اتباع واطاعت کی ضرورت واہمیت وبرکت کا ذکر۔ تین چار صدیاں گزر گئیں، یوں لگتا ہے مجدد الف ثانی قدس سرہ کا نعرۂ عشق ابھی عرب وعجم میں گونج رہا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اسی انداز کی تقلید پھر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اور ان کے بلند قدر صاحبزادے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، مجاہد تحریک آزادی حضرت فضل حق خیر آبادی اور چودھویں صدی کے مجدد حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی قدست اسرارھم نے کی۔ ان سب لوگوں نے اپنے اپنے دور میں ملت اسلامیہ کی خوب رہنمائی کی اور قوم کو محبت رسول ﷺ سے سرشار کرنے کی سعی جمیل فرمائی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن | خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

آیئے ذرا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نعرہ حق کی طرف، صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو، اگر عشق کی کوئی رتی میسر ہے تو انشاء اللہ قلب وروح کو وجد آجائے گا۔ حمد ونعت کا انداز ملاحظہ ہو

کسی حمد کرنے والے کی حمد اس ذات بلند کی پاک بارگاہ تک نہیں پہنچتی بلکہ اس کی عزت وجلال کے پردوں سے دور ہی رہتی ہے۔اس نے اپنی آپ ہی تعریف کی ہے اور اپنی حمد آپ ہی بیان فرمائی ہے۔سو وہ ذات پاک حامد بھی اور محمود بھی ہے۔ تمام مخلوقات حمد مقصود کے ادا کرنے سے عاجز ہے۔کیوں نہ ہو جب رسول اللہ ﷺ بھی اس کی حمد سے عاجز ہیں جو قیامت کے دن لواء الحمد اٹھانے والے ہیں جس کے نیچے حضرت آدم اور تمام انبیاء علیہم السلام ہوں گے۔رسول اللہ ﷺ ظہور میں تمام مخلوق میں افضل واکمل، مرتبے میں سب سے زیادہ قریب، کمالات ومحاسن میں سب سے زیادہ جامع، قدر میں سب سے بلند، شرف وعظمت میں سب سے آگے، دین میں سب سے بہتر، ملت میں سب سے زیادہ راست، حسب میں سب سے زیادہ کریم، نسب میں سب سے زیادہ شریف، خاندانی اعتبار سے سب سے زیادہ معزز۔آپ نہ ہوتے تو اللہ سبحانہ خلقت کو پیدا نہ فرماتا اور نہ اپنی ربوبیت ظاہر فرماتا۔آپ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم ابھی پانی اور مٹی کے مرحلے میں تھے۔قیامت کے دن آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے امام وخطیب اور شفیع ہوں گے۔آپ ہی نے فرمایا ہے کہ ہم آخر میں آنے والے بھی ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے (جنت میں داخل ہونے والے) بھی اور (یہ بھی فرمایا کہ) میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا (بلکہ شکر کے طور پر کہتا ہوں) کہ میں اللہ کا حبیب ہوں اور آخری نبی ہوں اور مجھے اس پر بھی فخر نہیں۔اور سب سے پہلے میں (قبر سے) نکلوں گا، جب (قیامت کے دن) لوگ اٹھائے جائیں گے، میں ان کا قائد ہوں گا جب وہ وفد کی صورت میں چلیں گے، میں ان کا خطیب ونقیب ہوں گا، جب وہ خاموش ہو جائیں گے۔میں ان کی شفاعت کروں گا جب انھیں روک دیا جائے گا اور میں انھیں خوشخبری سناؤں گا جب وہ مایوس ہوں گے، عزت اور چابیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی (ترجمہ دفتر دوم، حصہ ششم، مکتوب نمبرا)

جنگ آزادی: جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) بھی کفر واسلام کی لڑائی تھی، اس میں انگریزوں کے خلاف جن علماء نے فتویٔ جہاد دیا تھا، وہ جذبۂ عشق رسول اللہ ﷺ ہی سے سرشار تھا، ان لوگوں نے بظاہر اگرچہ شکست کھائی مگر عشق کی ایسی داستانیں چھوڑ گئے، جو لازوال بن گئیں، دہلی میں سپہ سالار گویا امام عاشقاں حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی تھے، بریلی میں حضرت مولانا رضا علی خاں (یعنی حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے جدامجد) علیہم الرحمہ۔وہ کیا اندازِ عاشقانہ تھا جب جنگ آزادی کے بعد حضرت مولانا کافی علیہ الرحمہ کو تختہ دار کی طرف لے جایا جارہا تھا اور وہ پڑھ رہے تھے (یہی مولانا کافی ہیں جنھیں اعلیحضرت بریلوی نے ملک نعت کا سلطان اور خود کو ان کا وزیر اعظم کہا ہے)

کوئی گل باقی رہے گا ، نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ ﷺ کا دین حسن رہ جائے گا
ہم صفیرو! باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا!
بلبلیں اڑ جائیں گی ، سُونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں ہو تم
اس تن بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحب لولاک (ﷺ) کے اوپر درود
آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافؔی و لیکن حشر تک
نعت حضرت (ﷺ) کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

غدار اُس دور میں بھی تھے اور نام نہاد علماء میں سے تھے، کوئی کسی انگریز مرد کو پناہ دے رہا تھا اور کوئی انگریز عورت کو، پھر بعد میں کوئی "شمس العلماء" بنا اور کوئی 'سر'۔ یہ کتنے افسوس اور تعصب و جہالت کی بات ہے کہ جنھوں نے انگریزوں کی حکمت عملی کے مطابق اوران کی شہ پر مسلمانوں کے سینے رسول اللہ ﷺ کے عشق وادب سے خالی کرنے کی کوشش کی، اسلام دشمنوں کے مفاد کی خاطر افغانوں اور سکھوں سے لڑائی مول لی، انھیں انگریز کا دشمن ظاہر کر کے 'ہیرو' بنا دیا گیا اور جنھوں نے جان اور مال کی بازی لگا کر انگریزوں کے خلاف جہاد کیا، ان کا نام تک فراموش کرانے کی سازشیں پروان چڑھتی رہیں۔ کہتے ہیں سینتیس ہزار وہ مسلمان مجاہد تھے جنھیں جنگ آزادی کے بعد ایک دوسرے کے سامنے اذیتیں دے کر پھانسی دی گئی مگران میں سے ایک نے بھی اسلام سے پھرنے کا عندیہ نہ دیا۔ اللہ اکبر کیسے سرفروش تھے، کیسے خوش بخت تھے، کیسے بلند نظر تھے

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

حقیقت یہ ہے کہ جنگ آزادی کے ان سرفروشوں کی قربانیوں کا نتیجہ تھا کہ رحمت حق جوش میں آئی اوراس نے عاشقان رسول ﷺ کے جذبہ عشق کی لاج رکھتے ہوئے جہاں آفتاب ولایت حضرت باواجی چوراہی، قیوم زبانی حضور شہنشاہ لا ثانی علی پوری، شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری، شمس الملت والدین حضرت شمس الدین سیالوی، فخر الولایت حضرت سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہم الرحمہ جیسی عظیم شخصیات پیدا کیں، وہیں عام ملی رہنمائی کے لئے مجدد ملت حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور شعر و سیاست کے میدان میں حضرت اقبال اور قائداعظم جیسے رہنما کے پیدا کئے (علیہم الرحمۃ) ان سب نے اپنے اپنے انداز میں ملت اسلامیہ کو ماضی کی طرف متوجہ کیا اور جذبہ عشق رسول ﷺ سے سرشار کرنے کی کوشش کی۔ حق یہ ہے کہ تحریک پاکستان اور پھر قیام پاکستان بھی اسی جذبہ عشق کا مرہون منت ہے۔ جب یہ جذبہ بیدار ہو گیا تو ساری ملت بیدار ہو گئی۔ وہ لوگ یا علم کے وہ پیکر جو اس روح سے خالی تھے، اپنی توحید کے زورشور کے باوجود پہلے پہل انگریزوں کے پٹھو تھے تو آخر میں مشرک ہندوؤں کے غلام ہو گئے۔ اس وقت انھیں ایمان کا پاس تھا نہ توحید کا، انھیں قرآن یاد آیا نہ رحمان۔ جدھر گاندھی ادھر یہ، جیسا اس نے نچایا، یہ ناچے۔ اسی لئے حضرت اکبرالہ آبادی نے فرمایا تھا:

یہ کانگرسی ملاء کیا پوچھتے ہو، کیا ہیں

گاندھی کی پالسی کا عربی میں ترجمہ ہیں

موجودہ زمانے: میں بھی جبکہ ہر طرف اسلام کے دشمن ہو کر اپنے تمام اختلافات کو نظر انداز کر کے معاذ اللہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے خواب دیکھ رہے ہیں اور بش ان تمام شیطانی قوتوں کا سرغنہ بنا ہوا ہے، پھر سے یہی جذبہ بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ جب تک یہ جذبہ بیدار نہ ہو گا، ملت بیدار ہو گی اور نہ کفر پسپا ہو گا، مگر یہ جذبہ اسی صورت میں بیدار ہو گا کہ سب سے زیادہ محبت حضور پرنور ﷺ سے ہو، اگر سب سے زیادہ محبت حضور پرنور ﷺ سے نہیں ہو گی تو ایمان ہی متحقق نہیں ہو گا، سنو یہ فیصلہ اسی محبوب اکبر ﷺ کا ہے جو اللہ کے بعد سب سے بڑا حاکم اور جس کا فیصلہ اللہ ہی کا فیصلہ ہے، وہ فرماتا ہے

لا یو من احد کم حتی اکو ن احب الیہ من وا لد ہ ولدہ والنا س اجمعین

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری ومسلم)

جو بات رحمت الٰہی کو جوش میں لاتی ہے، وہ اس کے حبیب اکرم نور مجسم ﷺ کی محبت وغیرت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حضور پرنور ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے جیسا کہ قرآن پاک کا دوٹوک اعلان ہے

و من یطع الر سو ل فقد اطا ع اللہ (النساء۔۸)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا، بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا

یونہی حضور ﷺ کی محبت اللہ کی محبت ہی ہے۔ اگرچہ مجھے یہ حدیث پاک کسی کتاب میں نظر نہیں آئی تاہم ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی مدظلہ نے اپنی عربی تصنیف علموا اولادکم حب رسول اللہ (اپنی اولاد کو رسول اللہ ﷺ کی محبت سکھاؤ) میں درج ذیل الفاظ کو بھی احادیث کے ضمن میں لکھا ہے:

من احبنی فقد احب اللہ و من اطاعنی فقد اطاع اللہ

ترجمہ: جس نے مجھ سے محبت کی اسی نے اللہ سے محبت کی اور جس نے میری اطاعت کی، اسی نے اللہ کی اطاعت کی۔

ہاں ہاں جس طرح یہ ممکن نہیں کہ اطاعت رسول ﷺ کے بغیر کوئی اطاعت خداوندی سے عہدہ برآ ہو سکے یونہی یہ ناممکن ہے کہ حضور پرنور ﷺ سے تو محبت نہ ہو، صرف خدا سے محبت ہو۔ لہذا جب ہم بار بار محبت رسول ﷺ کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد خدا تعالیٰ اور رسول ﷺ کی محبت ہوتی ہے، ظاہر ہے اسی محبت کا دوسرا نام ایمان ہے یا تشخص ایمان۔ کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے بغیر قرآن، توحید، اسلام سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو جھوٹا ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا پر کسی اور کی رضا کو یا ان کے قانون پر کسی اور کے قانون کو اہمیت دیتا ہے تو یقیناً وہ مسلمان نہیں خواہ بریلوی کہلائے یا دیوبندی، مقلد بنے یا غیر مقلد، نقشبندی ہو یا قادری۔ جسے بھی حضور پرنور ﷺ سے زیادہ کسی سے بھی تعلق خاطر ہے، وہ مومن کہلانے کا حقدار نہیں۔

ہاں ہاں اسلام کے خلاف سب سے بڑی سازش یہی تھی کہ حضور پرنور ﷺ سے امت کا تعلق خاطر منقطع کر دیا جائے، امتی امتی کہلانے کے باوجود اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کی محبت اور غیرت سے خالی ہو جائے تاکہ ان کے اندر سے وہ جذبہ نکل جائے جو انھیں دنیا کی بڑی سے بڑی قوت کے مقابل بھی لا کھڑا کر دیتا ہے اور ان کے اندر وہ آگ ٹھنڈی ہو جائے جو غیر خدا کے خوف کو بھسم کر کے رکھ دیتی ہے۔ ظاہر ہے یہ کام آسان نہیں تھا، یہاں ان پڑھ سے ان پڑھ مسلمان اور فاسق سے فاسق کلمہ خوان بھی اپنے آقا و مولا ﷺ کی توہین برداشت نہیں کر سکتا، چنانچہ انھوں نے شاطر و عیار زرخرید ملاؤں کی کھیپ نہیں مختلف کھیپیں تیار کیں، جن کا مرکزی پروگرام ایک ہی تھا یعنی حضور پرنور ﷺ کی محبت مسلمانوں کے دل سے نکالنا اور ان میں انتشار پیدا کرنا، برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے یہ کام جناب اسمٰعیل کے ذمے لگا۔ انھوں نے اس وقت جب انگریز استعمار دلی پر پوری طرح قابض ہو چکا تھا اور مغل تاجدار محض اس کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں تھا، حضور پرنور ﷺ کے کمالات و تصرفات کا انکار کر کے مقام نبوت کو گاؤں کی 'نمبرداری' تک لے آیا اور ان کو معاذ اللہ بے بس اور بے علم ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مگر یہ سب کچھ 'توحید' کے نام پر کیا، کتنا 'خوبصورت' نعرہ تھا اور کتنا گھناؤنا مقصد تھا۔ انگریزوں نے اس کی کتاب تقویت الایمان کے اولین ایڈیشن خود شائع کئے اور برصغیر کے طول و عرض میں پھیلائے، کیوں؟ کیا وہ توحید پرست تھے، نہیں، حضور پرنور ﷺ کی محبت مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے کے لئے اور انھیں باہم دست و گریباں کرنے کے لئے مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ کا برصغیر میں آغاز کیا تو مسلمان ان سے چوکنے ہو گئے۔ پھر لوگوں کو 'ان اسمٰعیلیوں' کی پہچان ہو گئی تو ان میں سے ایک گروپ علمائے دیوبند کی شکل میں تیار ہوا۔ جنھوں نے 'فقہ' میں تو عام لوگوں کی طرز اپنائی مگر حضور پرنور ﷺ کے خصائص و کمالات کے انکار کا سلسلہ آگے بڑھایا، بانی دیوبند نے خاتم النبیین کے معنی بدلے اور بتایا کہ اس سے مراد آخری نبی نہیں بلکہ افضل نبی ہے۔ تو ان کے قریب ترین ساتھی نے یہ تحقیق پیش کی کہ رحمۃ للعلمین ﷺ حضور ﷺ کا خاصہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کو رحمۃ للعلمین کہہ سکتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سی شیطانی تحقیقات جو اہل دیوبند کے ہاں معرض وجود میں آئی اور ناقابل برداشت تھی مگر اسے برداشت کرانے کے لئے علمائے دیوبند کے کشف و کرامات کے قصے اس کثرت سے گھڑے گئے کہ سیدھے سادے انسان کو ان کا جھٹلانا دشوار نظر آتا تھا۔ پھر دیوبند میں 'جوہن' برس رہا تھا اور شاگردی اور مریدی کے جو سانچے تیار ہو رہے تھے، ان میں ان جدید غوثوں اور قطبوں کی محبت و عقیدت کے سوا کچھ بھی داخل نہیں ہونے دیا۔ کتنا غضب ہے کہ جن جن کمالات کو حضور پرنور ﷺ کے لئے ثابت کرنا شرک قرار دیا گیا تھا۔ انھیں نانوتوی، گنگوہی اور تھانو

ی جیسے لوگوں کے ادنیٰ مریدوں کے لئے روا رکھا گیا۔ آخر میں حضرت مولٰنا مودودی صاحب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے، انھوں نے 'مقام نبوت' کو اس طرح پیش کیا کہ علمائے دیوبند اپنی پوری ہولنا کیوں کے باوجود بلبلا اٹھے، معاذ اللہ جس طرح ایک مولوی میدان مناظرہ میں اپنے مخالف کے علم پر اعتراض کرتا ہے، تقریباً اسی قسم کا انداز اس نبی محترم رسول محتشم ﷺ کے بارے میں اختیار کیا، جس کی آواز سے آواز بلند ہو جائے تو قرآنی وعید کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی ہستیوں کے اعمال ضبط ہو جائیں۔ یقیناً یہ از حد نا قابل برداشت تھا اور مسلمانوں کے خلاف مرزائیت اور فتنہ انکار حدیث کے بعد بہت بڑی سازش تھی مگر مولٰنا نے اسلام کا معاشرتی نظام، اسلام کا سیاسی نظام وغیرہ پیش کر کے اور تہذیب مغرب پر وار کر کے اپنی نا قابل برداشت جراتوں کو بھی معاذ اللہ خوشگوار بنالیا اور جماعت اسلامی کے پردے میں ایسی جماعت تیار ہوگئی، جسے بانی اسلام ﷺ سے تو محبت نہیں البتہ جماعت اسلامی کے بانی سے ضرور تعلق خاطر ہے۔ بلکہ ہم نے خود ان کے بعض جیالوں سے سنا ہے کہ 'محبت' تو مقصود ہی نہیں، اطاعت مقصود ہے' حالانکہ صریح احادیث میں محبت ہی کو ایمان ٹھہرایا گیا ہے اور صاف صاف اعلان کر دیا گیا ہے کہ اگر سب انسانوں سے زیادہ محبت اللہ کے حبیب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے نہیں ہوگی تو ایمان کا دعویٰ ہی غلط ہوگا۔ ہاں ہاں مولانا مودودی نے جو نسل تیار کی وہ اسی قسم کے ایمان سے آراستہ ہے جو اللہ کے حبیب ﷺ کی نظر میں ایمان ہی نہیں ہے۔ جماعت اسلامی کا ایک اور جیالا امیر اہم جماعت تھا۔ اس نے بڑی سادگی سے اپنا نقطہ نظر یوں پیش کیا تھا 'آج اسلام تو ایک نظام ہے، اس میں حضور (ﷺ) کا مقام کوئی مرکزی حیثیت تو نہیں رکھتا۔ حضرت اقبالؔ نے فرمایا تھا۔

چاہئے خانہ دل کی کوئی منزل خالی　　　شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمانِ عزیز

جماعت اسلامی کے دلوں میں جو مہمان عزیز آچکا ہے وہ حضرت مودودی ہیں ہاں ہاں واقعی مولانا مودودی نے اسلام کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی و تہذیبی پہلوؤں پر بہت کچھ خامہ فرسائی کی، مگر افسوس وہ اسلام کے روحانی نظام کو بالکل نہیں سمجھ سکے۔ اس کے لئے کسی مرشد، کسی صوفی، کسی صاحب دل کے آگے زانوئے ادب تہ کرنے کی ضرورت تھی اور وہ ان پاک باطن لوگوں کے ادب سے شاید جبلی طور پر محروم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قرآن پاک سے فیض پا سکے نہ حدیث سے، کاش ایسا ہوتا اور اگر ایسا ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ مقام نبوت تو بہت بلند ہے ولایت میں بھی قرب کے بھی بعض درجے ایسے ہوتے ہیں کہ صاحب قرب کی زبان پر حق کے سوا کچھ نہیں آسکتا۔ حضور غوث اعظم، سرکار داتا گنج بخش، حضرت مجدد الف ثانی علیہم الرضوان جیسے مقربین اسی درجے پر فائز تھے۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں

(اے انسان تو ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جائے گا کہ)

ترجمہ: تجھے خارق طاقت عطا ہو جائے گی جیسی مومنوں کو جنت میں حاصل ہوگی۔ اس وقت تو ایسا ہو جائے گا گویا موت کے بعد آخرت میں تجھے زندہ کیا گیا ہو۔ تو تو سراپا قدرت بن جائے گا۔ (اللہ کے نور) کے ساتھ سنے گا۔ اللہ (کے نور) کے ساتھ بولے گا، اللہ (کے نور) کے ساتھ دیکھے گا، اللہ (کے نور) کے ساتھ پکڑے گا، اللہ (کے نور) کے ساتھ دوڑے گا اور اللہ (کے نور) کے ساتھ ہی سمجھے گا۔ (فتوح الغیب مقالہ نمبر ۴)

بلکہ حدیث پاک میں اس کی اصل موجود ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے

ولسانه الذی یتکلم به

(اور میں اس بندہ مقرب کی زبان بھی بن جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے)

یہ حدیث تو اور بھی مشہور ہے:

ان الله جعل الحق علیٰ لسان عمر و قلبه (ترمذی)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق جاری فرما دیا ہے۔

(مگر افسوس یہ حدیث بھی (حدیث کے پرانے ذخیروں میں ہے)

ان تاریک حالات میں سچی بات یہ ہے کہ جناب پروفیسر طاہر القادری سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں، ہم انھیں جدید وقدیم علوم کا جامع اور اسلام کا نہایت روشن خیال مفسر و مبلغ سمجھتے تھے، کئی سال ہوئے، میں نے یہاں تک کہہ دیا تھا (اور یہ بیان منہاج القرآن سیالکوٹ والوں نے ایک پمفلٹ میں شائع بھی کیا تھا) کہ "معلوم ہوتا ہے پندرھویں صدی ہجری کی علمی روح پروفیسر طاہر القادری صاحب کے قالب میں ڈھل کر بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں سلام عرض کر رہی ہے"، مگر افسوس ان کی ہوس شہرت واقتدار نے بھی مایوس کر دیا (اگرچہ ہم اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں) اور یہ بات ساری دنیا جانتی ہے مگر وہ جو ڈاکٹر صاحب کے عشق میں رنگے ہوئے ہیں۔ ان کے لئے ناقابل فہم ہے۔ میں نے 'میلاد نمبر' میں عرض کیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب بھی انھیں لیڈروں میں شامل ہیں جن کی تربیت سے ڈاکٹر صاحب کی محبت تو دل میں پیر جاتی ہے مگر حضور پرنور ﷺ کی محبت وغیرت سے دل عموماً خالی ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ رمضان شریف میں دوپہر کے وقت دی جانے والی افطار پارٹی کا ذکر، ان کے اداروں کی طالبات کا سڑکوں پر ننگے منہ بازو ہلا ہلا کر نعرہ بازی کا حال اور مخلوط تعلیم کا رونا رویا تھا۔ ان کی طرف سے اس کی تردید نہیں آئی ہاں یہ کہا گیا کہ انھیں کچھ نہ کہو، خدا کے لئے انھیں کچھ نہ کہو، حافظ آباد سے ایک سید زادے کا خط آیا اور اسی قسم کا مضمون تھا، حیرت ہوئی سیدہ خاتون جنت سلام اللہ علیٰ ابیہا وعلیہا کا فرزند اپنی خاندانی روایات کو بھول گیا اور پروفیسر صاحب کے زیر اثر اسلامی معاشرت سے ان کی اس بغاوت کو بھی برداشت کر رہا ہے (نوجوان لڑکے لڑکیاں اکٹھے پڑھیں اور اسلام کی جوان بیٹیاں جن کی آواز بھی 'عورت' ہے نعرہ بازی کریں) حقیقت یہ ہے قوم کو گمراہ کرنے والے لوگ پہلے خود کو بے عیب اور عملاً معصوم منوالیتے ہیں اور جب ان کے بارے میں ایک جماعت کے اندر یہ تصور راسخ ہو جاتا ہے کہ وہ غلطی کر ہی نہیں سکتے، اپنا پروگرام شروع کر دیتے ہیں۔

برادران عزیز۔ آج پھر اسلام پر نہایت ہی سخت وقت ہے۔ اس کا حل یہی ہے کہ عشق رسول ﷺ کے جذبے سے ملت کے ہر فرد کو سرشار کرنے کی کوشش کی جائے۔ واللہ اس کے سوا کوئی حل نہیں۔ اگر کوئی پیر، کوئی مولوی، کوئی استاد، کوئی لیڈر، کوئی صدر یا وزیر اعظم حضور پرنور ﷺ کی بجائے خود مرکز محبت بننا چاہتا ہے تو وہ غدار ہے مردود ہے، ملعون ہے، شیطان ہے، بے ایمان ہے۔

میری اس تحریر کا، ظاہر ہے جس طرح پرویز مشرف پر کوئی اثر نہیں ہوتا، پروفیسر طاہر القادری صاحب، قاضی حسین احمد صاحب (جو آج کل سنا ہے مودودی صاحب کے برخلاف 'محفل میلاد' تک پہنچ گئے ہیں) اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب جیسے لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوگا ویسے بھی جو لوگ 'بڑے' لوگوں کے تربیت یافتہ ہوتے ہیں، وہ آخر میں خود ان کا 'پیغام' بن جاتے ہیں، بلکہ اس تحریر کا ان کی بارگاہوں تک پہنچنا بھی کہاں آسان ہے۔ لیکن اگر ہو سکے تو ملت کے اجتماعی مفاد کے لئے۔

کیا علمائے دیوبند اپنے بزرگوں کی کتابوں سے ایسی دلخراش عبارتیں نکال سکتے ہیں جو حضور پرنور ﷺ کی محبت کو کمزور کرتی ہیں؟

کیا قاضی حسین احمد صاحب اپنی شوریٰ سے مل کر مولنٰا مودودی صاحب کی تحریروں سے ان کی مخصوص تحقیق کے وہ اجزا خارج کر سکتے ہیں جو بارگاہ رسالتمآب ﷺ کی خلاف باغیانہ رجحانات کے حامل ہیں۔ کیا جناب طاہر القادری اپنے تعلیمی اداروں سے اس قسم کے نعرے کہ

کس کے بیٹے؟ طاہر القادری کے

ختم کر کے، اس قسم کے نعرے دے سکتے ہیں

کس پر قربان.................حضور محبوب خدا پر ﷺ

اگر یہ نہ ہو سکے اور ظاہر ہے ایسا ہونا مشکل ہے تو کم از کم وہ لوگ جو دل و جان سے حضور پرنور ﷺ پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے بیتاب رہتے ہیں اور یقیناً ایسے ہی لوگ کثیر تعداد میں ہیں، کیونکہ امت زندہ ہے تو ایسے لوگ بھی موجود ہیں، ہاں غیر منظم ہیں، اپنے ظاہری وفروعی اختلافات ختم کر کے اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کی محبت وغیرت سے مسلح ہو کر میدان میں نکل آئیں تو دنیا کا کوئی طوفان ان کا راستہ نہیں روک سکے گا، واللہ بش جیسے شیطان بھاگ جائیں گے، واللہ ملت اسلامیہ کو بیداری کی ضرورت ہے اور امریکہ اپنی پوری ایٹمی توانائی اور ابلیسی حربوں کے باوجود سامنے نہیں ٹھہر سکے گا۔

محقق دوراں حافظ محمد نصر اللہ حسینی آسوی ﴿مدینہ شریف﴾

حج اور عقائد اہل سنت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حج کے افعال وارکان پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حج اہل سنت والجماعت کے عقائد کی ایک عملی صورت ہے کیونکہ اہل سنت کے بہت سے عقائد حج سے ثابت ہوتے ہیں اور یہ اس مسلک کی حقانیت کی واضح دلیل ہے مثلاً

١- انبیاء واولیاء کی یادگاریں قائم کرنا
٢-اولیاء کرام کا دور نزدیک سے یکساں سننا
٣-نداء یارسول اللہ اور مسئلہ سماع موتیٰ
٤-اختیار نبی
٥-علم نبی ﷺ
٦-حیات النبی ﷺ
٧-حاضر وناظر
٨-نسبت مجازی افعال خدا کی سبب کی طرف نسبت کا جواز
٩-مخلوق خدا (زمزم) کا حاجت روا، مشکل کشا
١٠-حجر اسود کا علم اور اس کا اللہ کے حکم سے نفع پہنچانا
١١-آثار صالحین کو بوسہ دینے کا جواز
١٢-تعظیم نبی ﷺ موئے مبارک اور ناخن مبارک کا تبرک تقسیم فرمانا
١٣-ایصال ثواب اور کھانا آگے رکھ کر کچھ پڑھنا اور اس پر غیر اللہ کا نام آنا
١٤-وسیلہ انبیاء
١٥-انبیاء واولیاء کی یادگاریں قائم کرنا

حج سارے کا سارا اوّل تا آخر اللہ کے مقبولوں اور محبوبوں کی یادگار ہے۔اور یہ یادگار منانے اور قائم رکھنے کا خود اللہ نے حکم دیا ہے جس سے ثابت ہوتا کہ انبیاء اور اولیاء کی اللہ کی بارگاہ میں بڑی شان وشوکت ہے کیونکہ انہوں نے اللہ کی رضا کی خاطر اپنی جان مال اولاد سب کچھ قربان کر دیا تو اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو گیا اور ان کا ذکر قیامت تک کے لئے باقی رکھا اور اس شان سے باقی رکھا جو اس جگہ کی زیارت کر لے وہ گناہوں سے پاک صاف نہ صرف خود گناہوں سے پاک وہ جس کے لئے دعا کر دیں اللہ تعالی اس کی بھی مغفرت فرمادے اور جہاں وہ تھوڑی دیر کے لئے بھی ٹھہر گئے وہ جگہیں بھی قابل تعظیم اور اللہ کی نشانیاں بن گئیں تو جہاں وہ ہستیاں قیامت تک کے لئے آرام فرما ہیں ان مقامات کی عظمت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے تبرکات کے منکروں اور زیارات کو مٹانے والوں بے ادبوں کو غور کرنا چاہئے کہ یہ تبرکات کس نے باقی رکھے ہیں اور وہاں نماز ادا کرنے کا حکم کس نے دیا ہے مقام ابراہیم کو دیکھ لو پتھر پر قدموں کے نشان یہ کسی انسان کا کام نہیں اللہ کا کام ہے اب اس کو مٹا کر دکھاؤ تبرکات کے منکروں اور غار حرا اور غار ثور کی زیارت سے روکنے والوں کی لڑائی ہم سے یا نبیوں ولیوں سے نہیں اللہ سے ہے۔وہی ان کی شان بلند کر رہا ہے۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے   یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ یہ لوگ اب شہداء بدر کی بھی زیارت نہیں کرتے دیتے وہاں کھڑے ہوکر سلام تک نہیں پڑھنے دیتے وہاں پولیس کا چوبیس گھنٹے پہرہ ہے۔ یہ کتنا بڑا افراڈ اور جھوٹ ہے کہ ہم قرآن وحدیث کو ماننے والے ہیں۔ان زیارتوں سے منع کرنے کے لئے قرآن کی کوئی آیت بتاؤ یا کوئی حدیث دکھاؤ جس میں زیارت سے روکا گیا ہو ورنہ ہم دکھاتے ہیں زیارت قبور سے ممانعت والی حدیث منسوخ ہے

عن بُرَیْدَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ :قال رسولُ اللہِ ﷺ: کُنْتُ نَھَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْھَا.

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب زیارت کیا کرو۔'' (مسلم حدیث ۹۷۷ مشکاۃ حدیث:۱۷۶۲ کتاب الجنائز باب زیارۃ القبور)

اس سے ہر طرح زیارت قبور کا جواز معلوم ہوا خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی جائے یا جمع ہوکر اب اپنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ مجمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے سال کے بعد مقرر کر کے زیارت کرنا منع ہے محض لغو ہے معین کر کے ہو یا بغیر معین کئے ہر طرح جائز ہے۔(جاء الحق ص ۳۲۳) فَــزُوْرُوْ امر مطلق ہے لہذا مسلمانوں کو زیارت قبر کے لئے سفر کرنا بھی جائز ہے جب ہسپتالوں اور حکیموں کے پاس سفر کر کے جاسکتے ہیں تو مزارات اولیاء پر بھی سفر کر کے جاسکتے ہیں کہ ان کی قبور روحانی ہسپتال ہیں، نیز اگر کہیں قبر پر لوگ ناجائز حرکتیں کرتے ہوں تو اس سے زیارت قبور نہ چھوڑے، ہو سکے تو ان حرکتوں کو بند کرے کیونکہ فَزُوْرُوْ امر مطلق ہے، دیکھو حضور ﷺ نے ہجرت سے پہلے بتوں کی وجہ سے کعبہ کو نہ چھوڑا بلکہ جب موقع ملا بت نکال دیئے۔ آج بھی لوگ نکاح میں ناجائز حرکتیں کرتے ہیں مگر اس کی وجہ سے نہ نکاح بند کئے جاتے ہیں نہ وہاں کی شرکت، نکاح بھی سنت مطلقہ ہے اور زیارت قبور بھی سنت مطلقہ نکاح وزیارت قبور دونوں کے لئے سفر بھی درست ہے اور ناجائز امور کی وجہ سے ان میں شرکت ممنوع نہیں۔(مراۃ جلد۲ ص:۵۲۲) شہداء بدر کی زیارت سے روکنے والوں اور اس کو شرک وبدعت کہنے والو! لوگوں کو حج سے بھی منع کردو یہ بھی اللہ کے مقبولوں کی یادگار ہے۔صفا مروہ پر کون دوڑا تھا، منیٰ میں قربانی کس نے کی تھی، مزدلفہ اور میدان عرفات میں کون ٹھہرا تھا، شیطان کو کنکریاں کس نے ماری تھیں، حجر اسود کو کس نے بوسہ دیا تھا؟ مقام ابراہیم میں کون کھڑا ہوا تھا، آج بھی حاجی وہاں پر نفل ادا کریں تو اولاد اسماعیل میں ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور صفا مروہ کی سعی کریں تو ستر (۷۰) غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔کبھی غور کیا کہ یہ سب مقامات کیا ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں قرار دیتا ہے اوران کی تعظیم کا حکم دیتا ہے۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
ممکن ہے اتر جائے تیرے دل میں میری بات (ڈاکٹر اقبال)

قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کی دو قسمیں ہیں تقویٰ بدن اور تقویٰ دل

تقویٰ بدن کا مدار اطاعتِ خدا اور رسول پر ہے- رب تعالی فرماتا ہے ﴿جس نے اللہ جل جلالہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کی ان پر نہ خوف ہے نہ وہ غمگین ہونگے﴾ سورۂ اعراف آیت (۳۵) دلی تقویٰ کا دارو مدار اس پر ہے کہ اللہ تعالی کے پیاروں بلکہ جس چیز سے اُن کو نسبت ہو جائے اُس کی تعظیم وادب دل سے کرے تبرکات کا بےادب ولی و پرہیز گار نہیں ہوسکتا رب تعالی فرماتا ہے ﴿جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کا تقویٰ ہے﴾ سورۂ حج آیت (۳۲) پارہ-۱۷ رکوع -۱۱ جو کوئی اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو اُس کے لیے اُس کے رب کے ہاں بہتری ہے۔(سورۂ حج آیت (۳۰) پارہ-۱۷ رکوع -۱۱) یہ بھی قرآن کریم ہی سے پوچھو کہ شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیاں کیا ہیں جن کی تعظیم کو دلی تقویٰ قرار دیا گیا ہے۔فرماتا ہے۔صفا اور مروہ پہاڑیاں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ اس پر گناہ نہیں کہ ان پہاڑوں کا طواف کرے۔(سورہ بقرہ آیت-۱۵۸ پارہ -۲ رکوع-۳) صفا اور مروہ وہ پہاڑ ہیں جن پر حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں سات بار چڑھیں اور اتریں اس اللہ والی کے قدم پڑ جانے کی برکت سے یہ دونوں پہاڑ شعائر اللہ بن گئے اور تا قیامت حاجیوں پر اس پاک بی بی کی نقل اتارنے میں ان پر چڑھنا اور اترنا

سات بار لازم ہوگیا بزرگوں کے قدم لگ جانے سے وہ چیز شعائراللہ بن جاتی ہے رب تعالی فرماتا ہے-﴿ تم لوگ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو ﴾ (سورہ بقرہ آیت-۱۲۵ پارہ -۱ رکوع- ۱۵)

مقام ابراہیم: مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر جناب خلیل اللہ نے کعبہ کی دیواریں اونچی کیں ہر طواف کے بعد دو نفل پڑھے جاتے ہیں یہ نفل اسی جگہ پڑھنا سنت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس پتھر پر نبی کے قدم پڑ جائیں وہ پتھر بھی قابل احترام ہوتا ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ عین نماز میں بزرگوں کے تبرکات کی تعظیم کرنا ثواب ہے شرک نہیں، تو جو کہے کہ نماز میں حضور ﷺ کا خیال کرنا شرک ہے وہ دراصل حضور کی اہانت کرتا ہے۔ جب جناب خلیل اللہ کے نشان قدم والے پتھر کو آگے رکھ کر نماز پڑھنا درست ہوا تو حضور انور ﷺ کا درجہ تو بہت اعلی ہے (مراۃ جلد ۴ ص: ۱۱۰)

اذان ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی
نماز فقط تیرے دیدار کا بہانہ بنی (ڈاکٹر اقبال)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنا لیتے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿وَاتَّخِذُوْا من مَّقَامِ ابراهيمَ مُصَلًّى﴾ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو۔ سورہ بقرہ بخاری ۴۰۲ مشکوۃ ۶۰۵۰ کتاب المناقب باب مناقب عمر

رب تعالی فرماتا ہے: اور قربانی کے جانور ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے کئے تمہارے لیے اُن میں بھلائی ہے-(سورۂ حج آیت (۳۶) پارہ-۱۷ رکوع-۱۲) جو جانور قربانی کے لیے یا کعبہ معظمہ کے لیے نامزد ہو جائے وہ شعائراللہ ہے اس کا احترام چاہئے جیسے قرآن کا جز دان، اور کعبہ کا غلاف اور زمزم کا پانی مکہ شریف کی زمین کیوں؟ اس لیے کہ ان کو رب یا رب کے پیاروں سے نسبت ہے ان سب کی تعظیم ضروری ہے۔ حضور ﷺ کی تبرکات کی زیارت کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں سرکار ﷺ سے محبت کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کے تبرکات کی زیارت کی جائے چاہے آپ ﷺ نے اس کی زیارت کا حکم بھی نہ دیا ہو صحابہ کرام ایسا ہی کیا کرتے تھے ہم بھی انہی کے غلام ہیں بخوف طوالت بخاری شریف سے صرف دو حدیثیں پیش کرتا ہے۔ مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

تبرکات کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ: موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ (حرمین) کے راستے میں کچھ مقامات کو تلاش کر کے وہاں نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی بیان کیا کہ ان کے والد بھی ان مقامات پر نماز پڑھا کرتے تھے یہ بھی بیان کرتے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ان مقامات پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (بخاری حدیث (483)) اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام، صحابہ عظام اولیائے امت وصالحین امت نے جہاں نماز پڑھی ہو، عبادت کی ہو، قیام کیا ہو، وہاں سے برکت حاصل کرنا صحابہ کرام کی سنت اور کم از کم مستحب ضرور ہے۔ یہی تمام سلف وخلف کا مذہب ہے۔ علامہ عینی، علامہ عسقلانی اور علامہ قسطلانی نے یہی لکھا ہے۔ (نزہۃ القاری 187/2)

امام قاضی عیاض فرماتے ہیں حضور ﷺ کی تعظیم واجلال شان ہی میں سے یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے تمام متعلقات کی تعظیم کرے۔ حضور ﷺ کی طرف منسوب ان تمام جگہوں کی اور مشاہد ومعابد کی جو حرمین طیبین کے راستے میں ہیں اکرام کرے۔ بلکہ کہیں بھی ہوں سب کی تعظیم کرے۔ بلکہ ان چیزوں کا بھی جن کو دست مبارک نے مس کیا ہو۔ حضرت ابو محذورہ اپنے سر کے اگلے حصے کے بال نہیں منڈواتے تھے دریافت کیا گیا تو فرمایا: ان کو کس دل سے الگ کراؤں، ان کو حضور ﷺ کے دست مبارک نے مس کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ منبر اقدس کے اس حصے پر ہاتھ رکھ کر چوم لیتے تھے جہاں سرکار بیٹھتے تھے۔ شفاء شریف 56-57/2

تبرکات کے متعلق حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا عقیدہ: حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینے آیا اور عبداللہ بن سلام سے ملاقات ہوئی۔ تو فرمایا میرے ساتھ میرے گھر چلو تا کہ میں تمہیں اس پیالہ میں پلاؤں جس میں رسول اللہ ﷺ نے پیا ہے اور تو اس مسجد میں نماز پڑھے جس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔ تو میں ان کے ساتھ گیا تو انہوں نے مجھے ستو پلائے اور کھجوریں کھلائیں اور میں

نے ان کی مسجد میں نماز پڑھی۔ (بخاری کتاب الاعتصام حدیث 7342)

۲-۳ حج اور دور سے یا کے صیغہ سے خطاب کرنا اور مسئلہ سماع موتی: صاحب مرقات نے فرمایا: کہ حاجی کا لبیک کہنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار اور بلاوے کا جواب ہے، چنانچہ حاکم نے مستدرک میں اور حافظ ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر میں امام سیوطی نے تفسیر جلالین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت براہیم علیہ السلام کو خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد حکم دیا ﴿ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ﴾ اور لوگوں میں حج کی عام ندا کردے ﴾ (سورہ الحج آیت: ۲۷ پارہ نمبر ۱۷ رکوع: ۱۱)

يَارَبِّ كَيْفَ اُبَلِّغُ النَّاسَ وَصَوْتِيْ لَايُنْفِذُ هُمْ فقال نَادِ وَعَلَيْنَا الْبَلاغَ فَقَامَ عَلَى مَقَامِهِ وَقِيْلَ عَلَى الْحَجَرِ وقِيْلَ عَلَى الصَّفَا وقيل على ابى قُبَيْسٍ وقال: يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ بَنَى بَيْتًاوَاُوجَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوهُ فَيُقَالُ إِنَّ الْجِبَالَ تَوَاضَعَتْ حَتىّٰ بَلَغَ الصَّوتُ أَرجَاءَ الارضِ وأَسْمَعَ مَنْ فِى الا رحامِ وَالْأَصْلَابِ وأَجَابَهُ كُلُّ شَىْءٍ سَمِعَهُ مِنْ حَجَرٍ وَشَجَرٍ وَمَنْ كَتَبَ اللهُ أَنَّهُ يَحُجُّ إِلى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْك لَبَّيْك لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْك إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَك .

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب ان سب لوگوں تک میری آواز کیسے پہنچے گی؟ اللہ نے فرمایا: تم اعلان کردو آواز پہنچانا میرا کام ہے کہا گیا کہ مقام ابراہیم پر یا حجر اسود یا صفا پر یا جبل ابوقبیس پر کھڑے اور کہا اے لوگوں تمہارے رب نے گھر بنایا اور تم پر اس کا حج فرض کیا ہے تو اس کا حج کرو کہا گیا ہے کہ پہاڑ جھک گئے حتیٰ کہ آواز زمین کے کناروں تک پہنچ گئی اور اس نے سن لی جو ماؤں کے رحموں میں تھے یا باپ کی پشتوں میں اور پتھر، مٹی اور درخت غرضیکہ جس چیز نے بھی سنا اس پکار کا جواب دیا اور قیامت تک جس کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ حج کرے گا اس نے جواب دیا لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْك لَبَّيْك لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْك إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَك . تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص: ۲۲۶

مفتی احمد یار خاں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ دور سے غائبانہ ندا جائز ہے۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں یا رسول اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ساریہ کو پکارا حالانکہ وہ نہاوند میں جہاد کر رہے تھے۔ تفسیر نور العرفان

اس سے معلوم ہوا کہ رب چاہے تو مُردوں کو بھی سنوا سکتا ہے کیونکہ جو ماں کے رحم یا باپ کی پشتوں میں تھے وہ مردہ ہی تھے اولیاء کرام انبیاء کرام تو زندہ ہوتے ہیں قرآن میں جو آیا ہے کہ مردے نہیں سنتے تو اس سے مراد دل کے مردہ کافر ہیں کہ وہ حق بات سن کر ایمان نہیں لاتے۔ ورنہ کافر زندہ ہو یا مردہ سب سنتے ہیں حضور ﷺ نے غزوہ بدر کے دن مردہ کافروں سے خطاب فرمایا تھا ﴿ ايَسُرُّكُمْ اَنَّكُمْ اَطَعْتُمُ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ کیا تو تمہیں یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تم اللہ و رسول کی اطاعت کرتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ روح کے بغیر صرف جسموں سے کیسے کلام فرما رہے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عمر تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ (بخاری ۳۹۷۶ مشکوٰۃ ۳۹۶۷ کتاب الجہاد باب حکم الاسراء) اس آیت سے بھی اس بات کی تائید ہوئی ہے کہ مردوں کے نہ سننے سے مراد کافر ہیں جو دل کے مردہ ہیں ﴿ ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان پیدا کئے ان کے دل ہیں لیکن سمجھتے نہیں ان کے کان ہیں لیکن سنتے نہیں ان کے لئے آنکھیں ہیں لیکن وہ ان سے دیکھتے نہیں ان کے لئے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ ﴾ (سورہ الاعراف ۱۷۹) اگر یہی معنیٰ ہو کہ مردے نہیں سنتے تو قبرستان والوں کو سلام کہنا بھی جائز نہ ہوگا۔ مردوں کو پکارنے اور ان کے سننے کا ذکر قرآن میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مردہ پرندوں کو پکارا تو وہ زندہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ دیکھو سورہ بقرہ آیت ۲۶۰۔ اگر مردہ پرندوں نے سنا نہیں تھا تو وہ زندہ کیسے ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے قرآن سے ثابت ہے اور اگر مردے سنتے نہیں تھے تو وہ زندہ کیسے ہو جاتے تھے۔

انبیاء کرام علیہ السلام کی تو بڑی شان ہے ان کے صدقہ میں شہداء بھی سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ شہدائے احد کی زیارت کے لئے گئے اُن کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ کے نزدیک زندہ ہو (اے مسلمانو) ان کی زیارت کیا کرو اور انہیں سلام کرو اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جو بھی انہیں سلام کرے گا یہ لوگ قیامت تک اُس پر سلام بھیجتے رہیں گے. (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط، مجمع الزوائد ۳/۶۰) (وفاء الوفاء ۳/۹۳۲) (رواہ البیہقی فی الدلائل)

جب غلاموں کی یہ شان ہے تو آقا کا مقام کیا ہوگا

۴- حج اور اختیار نبی ﷺ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو تم پر حج فرض کیا گیا ہے پس حج کیا کرو! ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ خاموش رہے حتی کہ اُس نے تین بار یہی عرض کیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور تم اس کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھتے۔ جن چیزوں کا بیان میں چھوڑ دیا کروں تم اُن کا سوال مت کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے اسی لئے ہلاک ہوئے کہ وہ انبیاء علیہم السلام سے بکثرت سوال کیا کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام سے اختلاف کرتے تھے، لہذا جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر بقدر استطاعت عمل کیا کرو اور جب میں کسی چیز سے روک دوں تو اُس کو چھوڑ دیا کرو۔ (مسلم حدیث: ۱۳۳۷ کتاب الحج، مشکوۃ: ۲۵۰۵ کتاب المناسک) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو تم پر حج فرض کیا گیا ہے پس حج کیا کرو! اقرع بن حابس نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا ہر سال حج فرض ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور اگر واجب ہو جاتا تو تم اس پر نہ کرتے اور اس کی ادائیگی کی طاقت بھی نہ رکھتے پس حج ایک ہی بار فرض ہے تو جس نے اس سے زیادہ کیا وہ نفل ہوگا۔ (احمد حدیث ۲۵۱۰، ابوداود ۱۷۲۱، مشکوۃ حدیث: ۲۵۲۰ کتاب المناسک) سبحان اللہ کیا شان مصطفیٰ ہے یعنی پورا جواب تو کیا معنیٰ اگر ہم صرف ہاں کہہ دیتے تب بھی حج ہر سال فرض ہو جاتا اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے کہ آپ کی ہاں اور نہ میں تاثیر ہے جس کے بہت قوی دلائل موجود ہیں کیوں نہ ہو کہ آپ کا کلام وحی الٰہی ہے۔

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمہ علم وحکمت پہ لاکھوں سلام
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

اس حدیث سے ان لوگوں کی تردید ہورہی ہے جو کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو کوئی اختیار نہیں اگر ایسا ہوتا تو سائل کے سوال پر حضور ﷺ فرماتے ٹھہرو ابھی جبریل کو آنے دو پوچھ کر بتاؤں گا بلکہ آپ ﷺ نے اسی وقت فرمادیا ﴿الحج مرة﴾ پس حج ایک ہی بار فرض ہے تو جس نے اس سے زیادہ کیا وہ نفل ہوگا۔ معلوم ہوا کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں اور ان کا عقیدہ باطل اور قرآن وحدیث کے منافی ہے۔ جس کا جو دل چاہے کہتا پھرے ہم کہیں گے

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر
کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا
کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے
محبوب کیا مالک ومختار بنایا

بے یارو مددگار جنہیں کوئی نہ پوچھے

ایسوں کا تجھے یارو مددگار بنایا

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چاہنے سے قبلہ تبدیل ہو جاتا ہے: ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے چاہنے سے ایک سجدہ یا ایک رکعت بھی معاف نہیں ہو سکتی لیکن رسول اللہ ﷺ کے چاہنے سے پنتالیس (۴۵) نمازیں معاف ہو سکتی ہیں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چاہنے سے سورج واپس لوٹ آتا ہے چاند کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں درخت خدمت اقدس میں حاضر ہو جاتے ہیں انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چاہنے سے ہر سال حج فرض ہو سکتا ہے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی رضا چاہتا ہے (وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى) ﴿سورۃ الضحیٰ﴾ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کو ہر وہ چیز ملتی ہے جو وہ چاہتے ہیں کیونکہ رب نے ان سے وعدہ فرمایا ہے لیکن یہ حضرات وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے یعنی ان کی مشیت خدا کی مشیت کے تابع ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے (وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ) وہ جو سچ لے کر آئے اور جنہوں نے سچ کی تصدیق کی وہی متقین ہیں ان کے لئے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس۔ (سورہ الزمر آیت ۳۳-۳۴)

نبی ﷺ کے اجتہاد پر دلیل: نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر میں ہاں کہتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا:

علامہ نووی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ففيه دليل للمذهب الصحيح أنه ﷺ كان له أن يجتهد في الأحكام ، ولا يشترط في حكمه أن يكون بوحي اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ نبی ﷺ اجتہاد کرتے تھے، اور آپ کے احکام جاری کرنے کے لئے وحی کی شرط نہیں ہے اور یہی صحیح مذہب ہے۔ (شرح مسلم نووی)

اباحتِ اصلیہ کی تحقیق: مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں: یعنی حضور ﷺ کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اور ممنوعات سے بچنا لازم، یہ دونوں کام بقدرِ طاقت ہیں اگر نماز کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھ لو، اگر جان پر بن جائے تو مردار کھالو، اس سے معلوم ہوا کہ جیسے وجوب و فرضیت کے لئے امر ضروری ہے ایسے ہی حرمت و ممانعت کے لئے نہی لازم جس چیز کا حکم بھی نہ ہو اور ممانعت بھی نہ ہو وہ جائز ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے ﴿جو رسول تمہیں عطا کریں لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ﴾ سورۃ الحشر بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ جو کام حضور ﷺ نے نہ کیا ہو وہ حرام ہے غلط ہے قرآن شریف کے بھی خلاف ہے اور اس قسم کی احادیث کے بھی۔ (مراۃ جلد ۴ ص: ۸۷) اس حدیث کے تحت علامہ نووی لکھتے ہیں: دليل على أن الأصل عدم الوجوب ، وأنه لا حكم قبل ورود الشرع احکام میں اصل عدم الوجوب ہے اور شریعت کے وارد ہونے سے پہلے کوئی حکم نہیں ہے۔ (شرح مسلم) علامہ دشتانی مالکی لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص: ۴۳۵) اباحت اصلیہ سے مراد یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے جن چیزوں کا حکم دیا وہ فرض یا واجب یا مستحب ہو گئیں اور جن چیزوں سے منع کیا وہ حرام یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی ہو گئیں لیکن جن چیزوں سے شارع نے روکا نہ اُن کا حکم دیا وہ اپنی اصل پر مباح ہیں اور اُن کے کرنے یا نہ کرنے میں بندے کو اختیار ہے مثلاً دن رات کے بعض اوقات میں شارع نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور بعض اوقات نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اس کے علاوہ جو اوقات ہیں جن میں نماز پڑھنے کا حکم ہے نہ نماز پڑھنے کی ممانعت ہے ان میں بندے کو اختیار ہے ان اوقات میں نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔ جمعہ کی نماز کے بعد بعض مسلمان کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں اس کا حکم ہے نہ ممانعت اس لئے یہ اصالۃً مباح ہے البتہ اس پر فرض ایسا دوام نہ کریں اور نہ پڑھنے والوں کو ملامت نہ کریں کیونکہ مستحب کام کے ترک پر ملامت نہیں کی جاتی۔ (شرح مسلم ج ۳ ص (۲۲۸)

اختیار نبی ﷺ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا عقیدہ: کہ حضور ﷺ باذنِ پروردگار حرام کو حلال کر سکتے ہیں:

عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللهُ تعالیٰ علیه وسلم : يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: إِنَّ هَذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالارْضَ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ ،وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ،فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لايُعْضَدُ شَوْكُهُ ، وَلا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ، وَلا يَلْتَقِطُ لُقَطَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا، وَلا يُخْتَلَى خَلاهُ فَقَالَ الْعَبَّاسُ يارسول الله إِلَّا الْإِذْخِرَ ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِمْ ، قَالَ: إِلَّا الْإِذْخِرِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز فرمایا: آسمان وزمین کی پیدائش کے دن ہی اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرم بنادیا تھا، اور یہ اس خداداد حرمت کی وجہ سے قیامت تک حرم رہے گا، مجھ سے پہلے کسی کے لئے مکہ میں جنگ کرنا جائز نہیں تھا، اور میرے لیے بھی دن کی ایک ساعت میں جنگ جائز ہوئی تھی پھر وہ اسی طرح قیامت تک حرمت والا ہے، اس کے کانٹے کاٹے جائیں نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے، اور کوئی شخص مکہ میں گری پڑی چیز نہیں اُٹھا سکتا ماسوا اس شخص کے جو اعلان کر کے اُس کو مالک تک پہنچادے اور یہاں گھاس بھی نہیں کاٹی جائے گی- یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! اذخر (گھاس) کو مستثنیٰ کردیجئے کیونکہ یہ لوہاروں اور سناروں کے کام آتی ہے اور اس سے گھر بنائے جاتے ہیں، آپ نے فرمایا اذخر مستثنیٰ ہے۔اور ایک روایت میں ہے کہ وہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں اور نہ وہاں کی گری پڑی چیز اُٹھائی جائے ہاں اعلان کرنے والا اٹھا سکتا ہے۔(بخاری حدیث ۳۱۸۹،۱۱۲ کتاب الجہاد باب اِثم الغادر مسلم حدیث:۱۳۵۳ مشکوۃ حدیث ۲۷۱۵ کتاب المناسک باب حرم مکہ)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو رب تعالیٰ نے احکام شریعت کا مالک بنایا ہے کہ اپنے اختیار سے آپ باذنِ پروردگار حرام کو حلال کر سکتے ہیں، دیکھو سرکار عالی نے حضرت عباس کے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ اچھا رب کی بارگاہ میں دعا کرینگے یا جبریل امین سے پوچھیں گے بلکہ خود ہی فرمایا: إِلَّا الْإِذْخِر اگر حضرت عباس حضور ﷺ سے یہ نہ کہلوا لیتے تو اذخر بھی حرام ہی رہتی۔(اشعۃ اللمعات، مرآۃ ج۴ص:۲۰۲)

ایک طرف حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کے چاہنے سے اذخر گھاس حرام کی ہوئی چیزوں سے مستثنیٰ ہوسکتی ہے اور دوسری طرف اسماعیل دھلوی کا عقیدہ ہے ,,رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا،،(تقویۃ الایمان ص ۵۵ فصل نمبر ۵)

آپ خود فیصلہ کریں کہ عقیدہ صحیح کس کا ہے صحابی کا یا...... کا میں آپ کے سامنے حق و باطل کو پرکھنے کا ایک معیار پیش کررہا ہوں جو اُس میزان اور کسوٹی پر پورا اُترے اُس مسلک کو اپنالو کیونکہ وہی مسلک حق ہے۔

مفتی احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ائمہ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ احکام شریعت حضور سید عالم ﷺ کو سپرد ہیں جو بات چاہیں واجب کردیں جو چاہیں ناجائز فرمادیں جس چیز یا جس شخص کو جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ کردیں امام عارف باللہ سید عبدالوہاب شعرانی میزان الشریعۃ الکبری باب الوضو میں فرماتے ہیں:

" خَيَّرَهُ اللّٰهُ تعالیٰ اَنْ يُوْجِبَ مَاشَاءَ اَوْ لايُوْجِبَ؟

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا تھا کہ جس بات کو چاہیں واجب کردیں جسے نہ چاہیں نہ کریں اللہ عزوجل نے نبی ﷺ کو یہ منصب دیا ہے کہ شریعت میں جو حکم چاہیں اپنی طرف سے مقرر کردیں جس طرح حرم مکہ کے نباتات کو حرام فرمانے کی حدیث میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے وہاں کی گھاس وغیرہ کاٹنے سے ممانعت فرمائی حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ گیاہ اذخر کو اس حکم سے نکال دیجئے فرمایا اچھا نکال دی اُس کا کاٹنا جائز کردیا اگر اللہ نے حضور کو یہ رتبہ نہ دیا ہوتا کہ اپنی طرف سے جو شریعت چاہیں مقرر فرمائیں تو حضور

ہرگز جراءت نہ فرماتے کہ جو چیز خدا نے حرام کی اُس میں سے کچھ مستثنیٰ فرمادیں۔ نیز فرماتے ہیں شریعت کی کئی قسمیں ہیں: ایک وہ جس پر وحی وارد ہوئی شریعت کی دوسری قسم وہ ہے جو مصطفیٰ ﷺ کو اُن کے رب عزوجل نے ماذون فرمادیا کہ خود اپنی رائے سے جو راہ چاہیں قائم فرمائیں مردوں پر ریشم پہننا حضور ﷺ نے اسی طرح حرام فرمایا اور اسی طرح حرمت مکہ سے گیاہ اذخر کو مستثنیٰ فرمادیا اگر اللہ عزوجل نے مکہ معظمہ کی ہر جڑی بوٹی کو حرام نہ کیا ہوتا تو حضور ﷺ کو اذخر کے مستثنیٰ فرمانے کی کیا حاجت ہوتی اور اسی قبیل سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے اگر امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں عشاء کو تہائی رات تک ہٹا دیتا اور اسی باب سے ہے کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ اپنی امت پر تخفیف اور آسانی فرماتے اور زیادہ مسائل پوچھنے سے منع فرماتے اور فرماتے مجھے چھوڑے رہو جب تک میں تمہیں چھوڑوں۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ باب الوضو (الامن والعلی ص:۱۵۴-۱۵۶)

حج میں نمازکو اپنے اوقات مقدم مؤخر کردینا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ اِنَّ الصَّلاۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا ﴾ بیشک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ (سورہ النساء آیت ۱۰۳) لیکن حضور ﷺ نے میدان عرفات میں عصر کو ظہر کے وقت میں ادا فرمایا اور مزدلفہ میں مغرب کو عشاء کے وقت میں ادا فرمایا (مسلم شریف حدیث ۱۲۱۸ مشکوۃ شریف ۲۵۵۵ باب قصہ حجۃ الوداع) یہ حضور ﷺ کا خصوصی اختیار تھا آج میدان عرفات میں سورج غروب ہوگیا ہے لیکن کوئی حاجی نماز نہیں پڑھ رہا یہاں تک کہ عشاء کا وقت ہو گیا کسی نے پوچھا حاجی صاحب عشاء تک وقت ہوگیا ہے اور آپ نے ابھی تک مغرب ادا نہیں کی حاجی صاحب کہتے ہیں بھئی آج ہم مغرب کی نماز ادا نہیں کر سکتے جب تک مزدلفہ نہ پہنچ جائیں چاہے رات کے کسی حصہ میں پہنچیں اس کے علاوہ اگر کوئی جان بوجھ کر نماز لیٹ کرے تو گنہگار بھی ہوگا اور نماز بھی قضا ہو جائے گی لیکن اس کے برعکس اگر آج کوئی نماز مغرب مغرب کے وقت میں یا مزدلفہ سے پہلے پڑھتا ہے تو وہ گنہگار ہے اور اس کی نماز ہی نہیں ہوگی کیونکہ اللہ کے محبوب ﷺ نے اس نماز کے وقت کو مؤخر کر دیا جو نبی کریم ﷺ کو اپنے جیسا اور بے اختیار مانتے ہیں وہ ہر نماز اپنے اپنے وقت پر پڑھ کر دکھائیں تو پتہ چلے؟

سفر میں دو نمازوں کو حقیقۃً جمع کرنا جائز نہیں سوائے عرفات اور مزدلفہ کے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہمیشہ نماز اپنے وقت پر پڑھتے دیکھا ہے ماسوا مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کے آپ نے ان نمازوں کو جمع کر کے پڑھا اور اس دن نماز فجر اپنے وقت معہود سے پہلے پڑھ لی۔ (مسلم ۱۲۸۹ بخاری ۱۶۸۲ مشکوۃ ۲۶۰۸) یہ حدیث امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی سفر میں جمع بین الصلاتین نہ کیا یعنی چند نمازیں بیک وقت نہ پڑھیں جہاں دو نمازوں کو جمع کرنے کا ذکر ہے وہاں جمع صوری مراد ہے یعنی ظہر آخر وقت میں اور عصر اول وقت میں پڑھی لیکن مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو حقیقتاً جمع فرمادیا کہ مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی اور دوسری عرفات میں کہ وہاں عصر ظہر کے وقت میں پڑھی چونکہ وہ جمع دن میں تھا اور سب کے سامنے تھا اس لئے اس کا علیحدہ نام نہ لیا اور مزدلفہ میں نمازوں کا اجتماع رات میں تھا جس میں سارے حجاج جمع نہ تھے اس لئے صرف اس کا ذکر صراحۃً علیحدہ بھی کر دیا لہذا حدیث واضح ہے دو نمازوں سے مراد عرفہ اور مزدلفہ کی نمازیں ہیں۔ اور اس دن نماز فجر اپنے وقت معہود سے پہلے پڑھ لی۔ امام نووی فرماتے ہیں: کہ ان تمام روایات سے امام ابوحنیفہ کی تائید ہوتی ہے کہ صبح کی نماز کو اس دن کے علاوہ مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے۔ شرح مسلم

حیض ونفاس والی عورت کو طواف الوداع کی رخصت دے دی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بیت اللہ کا طواف کئے بغیر نہ لوٹے مگر حائضہ سے یہ حکم ہلکا کر دیا گیا۔ (بخاری ۱۷۵۵ مسلم ۱۳۲۷ مشکوۃ ۲۶۶۸ باب الخطبۃ یوم النحر) آفاقی (میقات سے باہر رہنے والے) پر طواف الوداع واجب ہے مگر عورتوں کو یہ واجب معاف کر دیا گیا کہ اگر وہ طواف زیارہ کر چکی ہیں تو وہ حیض بند ہونے کا انتظار نہ کریں بغیر طواف وداع کے جاسکتی ہیں۔

٦-حج اور علم مصطفیٰ ﷺ: اگر تم چاہو تو میں خود تمہارا سوال بیان کروں:

عن بن عمر رضی الله عنهما قَالَ:((كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي مَسْجِدِ مِنَى ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ، وَرَجُلٌ مِنْ ثَقِيْفٍ فَسَلَّمَا، ثُمَّ قَالا:((يارسُولَ اللهِ جِئْنَا نَسْأَلُكَ)) فَقَالَ:﴿ إِنْ شِئْتُمَا أَخْبَرْتُكُمَا بِمَا جِئْتُمَانِي تَسْأَلانِي عَنْهُ، فَعَلْتُ ،وَإِنْ شِئْتُمَا أَنْ أُمْسِكَ وتَسْأَلانِي ،فَعَلْتُ ﴾ فَقَالا:((أَخْبِرْنَا يارسُولَ اللهِ))، فَقَالَ الثَّقَفِيُّ لِلأَنْصَارِيْ: ((سَلْ)) . فَقَالَ:((أَخْبِرْنِي يارسُولَ اللهِ))فَقَالَ:﴿جِئْتَنِي تَسْأَلُنِي عَنْ مَخْرَجِكَ مِنْ بَيْتِكَ تَؤُمُّ الْبَيْتَ الْحَرَامَ وَمَالَكَ فِيْهِ؟ وَعَنْ رَكْعَتَيْكَ بَعْدَ الطَّوَافِ وَمَالَكَ فِيْهِمَا؟ وَعَنْ طَوَافِكَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَمَالَكَ فِيْهِ؟ وَعَنْ وُقُوْفِكَ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ وَمَالَكَ فِيْهِ؟وَعَنْ رَمْيِكَ الْجِمَارَ وَمَالَكَ فِيْهِ؟ وَعَنْ نَحْرِكَ وَمَالَكَ فِيْهِ مَعَ الْإِفَاضَةِ؟﴾ فَقَالَ:((وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَعَنْ هَذَا جِئْتُ أَسْأَلُكَ)) . قَالَ :﴿ فَإِنَّكَ إِذَا خَرَجْتَ مِنْ بَيْتِكَ تَؤُمُّ الْبَيْتَ الْحَرَامَ لاتَضَعُ نَاقَتُكَ خُفًّا، وَلا تَرْفَعُهُ إِلَّا كُتِبَ لَكَ بِهِ حَسَنَةٌ، وَمُحِيَ عَنْكَ خَطِيْئَةٌ ، وَأَمَّا رَكْعَتَاكَ بَعْدَ الطَّوَافِ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ مِنْ بَنِي إِسْمَاعِيْلَ عليه السلامُ ، وَأَمَّا طَوَافُكَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ كَعِتْقِ سَبْعِيْنَ رَقَبَةٍ ، وأما وُقُوْفُكَ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ ، فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى يَهْبِطُ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلائِكَةَ يَقُوْلُ:﴿ عِبَادِيْ جَاءُوْنِي شُعْثًا مِنْ كُلِ فَجٍّ عَمِيْقٍ يَرْجُوْنَ جَنَّتِي ، فَلَوْ كَانَتْ ذُنُوْبُكُمْ كَعَدَدِ الرَّمْلِ، أَوْ كَقَطْرِ الْمَطَرِ أَوْ كَزَبَدِ الْبَحْرِ لَغَفَرْتُهَا، أَفِيْضُوْا عِبَادِي مَغْفُوْرًا لَكُمْ وَلِمَنْ شَفَعْتُمْ لَهُ ﴾ وَأَمَّا رَمْيُكَ الْجِمَارَ فَلَكَ بِكُلِّ حَصَاةٍ رَمَيْتَهَا تَكْفِيْرُ كَبِيْرَةٍ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ، وَأَمَّا نَحْرُكَ فَمَذْخُوْرٌ لَكَ عِنْدَ رَبِّكَ ، وَأَمَّا حِلاقُكَ رَأْسَكَ فَلَكَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَلَقْتَهَا حَسَنَةٌ، وَيُمْحَى عَنْكَ بِهَا خَطِيْئَةٌ وَأَمَّا طَوَافُكَ بِالْبَيْتِ بَعْدَ ذَلِكَ، فَإِنَّكَ تَطُوْفُ وَلا ذَنْبَ لَكَ، يَأْتِيْ مَلَكٌ حَتَّى يَضَعَ يَدَيْهِ بَيْنَ كَتِفَيْكَ فَيَقُوْلُ: ((اعْمَلْ فِيْمَا تَسْتَقْبِلُ فَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا مَضَى))﴾ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد منیٰ میں حاضر تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک انصاری اور ثقفی نے حاضر سلام عرض کیا پھر وہ دونوں بولے یارسول اللہ! ہم آپ سے سوال کرنے آئے ہیں، آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں خود تمہارا سوال بیان کروں، اور اگر تم چاہو تو میں خاموش رہوں اور تم سوال کرو، انہوں نے یارسول اللہ آپ بیان فرمائیں ثقفی نے انصاری سے کہا کہ تم سوال کرو انصاری نے کہا یارسول اللہ! ہمیں بتایئے! آپ نے فرمایا کہ تم یہ سوال کرنے آئے ہو کہ جب تم اپنے گھر سے بیت اللہ کے لئے روانہ ہو اور بیت اللہ کا طواف کرو تو اُس میں تمہارے لئے کیا اجر ہے؟ اور طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کا کیا اجر ہے؟ اور صفا مروہ کے درمیان سعی کا کیا اجر ہے، اور وقوف عرفہ کا کیا اجر ہے، اور رمی جمار کا کیا اجر ہے، اور نحر (قربانی) کا کیا اجر ہے، اور سر منڈانے کا کیا اجر ہے؟ اور اس کے بعد طوافِ زیارت کا کیا اجر ہے؟ انصاری نے کہا یارسول اللہ اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم آپ سے یہی سوال کرنے آئے تھے۔

آپ نے فرمایا: جب تم اپنے گھر سے بیت اللہ کے لئے روانہ ہوتے ہو تو تمہاری سواری کے ہر قدم رکھنے اور اُٹھانے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور ایک گناہ مٹاتا ہے اور جب تم طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے ہو تو تمہیں اولادِ اسماعیل سے ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے، اور جب تم صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہو تو تمہیں ستر غلام آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے ،اور جب تم زوال کے بعد

میدانِ عرفات میں وقوف کرتے ہو تو اللہ تعالی آسمانِ دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے یہ میرے وہ بندے ہیں جو دُور دراز کے علاقوں سے بکھرے ہوئے غبار آلود بالوں کے ساتھ آئے ہیں یہ میری رحمت اور مغفرت کی امید رکھتے ہیں سو اگر تمہارے گناہ ریت کے ذروں، بارش کے قطروں اور سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں تو میں نے انہیں بخش دیا ہے، میرے بندو! عرفات سے مزدلفہ کی طرف جاؤ، تمہاری بھی مغفرت ہوگی اور جن کی تم شفاعت کروگے اس کی بھی مغفرت ہوگی۔

اور جب تم رمی جمار (کنکریاں پھینکتے ہو) کرتے ہو تو ہر کنکری کے بدلہ میں ایک ہلاک کرنے والا کبیرہ گناہ معاف کردیا جاتا ہے، اور تمہاری قربانی تمہارے رب کے پاس ذخیرہ کی جائے گی اور جب تم سر منڈاتے ہو تو ہر بال کے بدلہ میں ایک گناہ معاف کردیا جاتا ہے اور ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے، اور جب اس کے بعد تم طواف (زیارت) کروگے تو تم اس حال میں طواف کروگے کہ تمہارا کوئی گناہ نہیں ہوگا، پھر ایک فرشتہ تمہارے دو کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہے گا جاؤ از سر نو عمل کرو تمہارے پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے ہیں۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر، الترغیب الترہیب کتاب الحج حدیث: ۱۶۷۰، مجمع الزوائد جلد ۳ ص: ۲۷۶، المطالب العالیہ حافظ ابن حجر ج ۱ ص: ۳۱۴، ابن حبان، بزار، خصائص کبری جلد ۲ ص: ۱۷۱ باب اخبارہ بما حدثوا بہ انفسہم، من معجزات النبی ﷺ از شیخ عبدالعزیز محمد سلمان الریاض سعودی عرب ص: ۵۵ حدیث: ۹۹)

یوم عرفہ کی فضیلت کے علاوہ اس حدیث سے یہ واضح ہوگیا کہ اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو ایسی صفت عطا کی تھی جس سے آپ پر امورِ غیبیہ منکشف ہو جاتے تھے، آپ دلوں کا حال جان لیتے تھے اور یہی علمِ غیب ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انصاری اور ثقفی صحابہ کے نزدیک یہ بات معروف اور صحیح تھی کہ رسول اللہ ﷺ غیب کو جان لیتے ہیں ورنہ وہ اعتراض کرتے کہ آپ غیب کو کیا جانیں یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور یہ آیت پڑھتے (وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (انعام: ۵۹) قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ اللهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ (انعام: ۵۰) وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ (الاعراف: ۱۸۸) لیکن انہوں نے یہ اعتراض نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ ان صحابہ کے نزدیک ان آیات میں رسول اللہ ﷺ سے علم غیب کی نفی ذاتی استقلالی اور بے تعلیم الہی پر محمول ہے اور جو علم غیب آپ کو حاصل ہے وہ اللہ تعالی کی دین اور اس کی عطا سے ہے، یا جس چیز کی نفی ہے وہ اللہ تعالی کے علوم غیر متناہیہ ہیں اور وہی اللہ تعالی کا خاصہ ہیں اور وہ علم جو اللہ تعالی نے آپ کو دیا ہے وہ متناہی اور بعض ہے ہمارے اعتبار سے یہ علم ایسا ہے جیسے قطرے کے سامنے سمندر ہو اور اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں اس کی وہ نسبت بھی نہیں جو سمندر کے مقابلے میں قطرہ کی ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کے علم کے سامنے تمام مخلوق کا علم ایسا ہے جیسا قطرہ سمندر کے سامنے ہو اور اللہ کے مقابلہ میں آپ کے علم کی نسبت وہ بھی نہیں جو قطرہ اور سمندر میں ہے کیونکہ قطرہ اور سمندر میں محدود کی نسبت محدود کی طرف ہے اور آپ کے اور اللہ کے علم میں محدود کی نسبت لامحدود کی طرف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کے راوی ہیں، امام عبدالرزاق امام طبرانی وغیرہ اس حدیث کے جامع ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ تمام اسلاف کا یہی عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو عطائے الہی سے علم غیب حاصل ہے۔ (شرح مسلم جلد ۳ ص: ۶۹۴، تبیان القرآن جلد ۲ ص: ۲۷۷، تبیان جلد ۱ ص: ۶۳۴)

اسی سے ملتی جلتی ایک اور حدیث ایمان افروز اور باطل سوز ملاحظہ فرمائیں

جنگ کے حالات تو بتائے گا یا میں بتاؤں؟

عن موسی بن عقبة رضی الله عنه قال: قَدِمَ يَعْلَى ابْنُ أُمَيَّةَ عَلَى رسُولِ اللهِ ﷺ يُخْبِرُ أَهْلَ مُؤْتِهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنْ شِئْتَ فَأَخْبِرْنِي، وَإِنْ شِئْتَ فَأَخْبَرْتُكَ. قَالَ فَأَخْبِرْنِي يَارَسُولَ اللهِ فَأَخْبَرَهُ رسولُ الله، فقال: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا تَرَكْتَ مِنْ حَدِيْثِهِمْ حَرْفًا وَاحِدًا لَمْ تَذْكُرْهُ فَقَالَ رسولُ الله ﷺ إِنَّ اللهَ رَفَعَ لِيَ الأَرضَ حَتّٰى رَأَيْتُ مُعْتَرَكَهُمْ.

حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یعلیٰ بن امیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ اہل موتہ کے متعلق خبر دیں تو اُن سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو مجھے خبر دے اور اگر تو چاہے تو میں تجھے خبر دے دوں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے خبر دیجئے تو رسول اللہ ﷺ ان سے سارا واقعہ بیان کر دیا وہ پکار اٹھے اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ آپ نے تو ان کے واقعہ میں ایک حرف بھی چھوڑا جسے آپ نے بیان نہ کر دیا ہو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو نزدیک کر دیا یہاں تک کہ میں نے اُن کے میدان جنگ کو دیکھ لیا۔(طبقات ابن سعد، بیہقی، ابونعیم واقدی، کنز العمال، خصائص کبری (مختصر سیرت رسول از عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب ص ۲۴۱)

یہ واقعہ غزوہ موتہ میں ہوا جو آٹھ ہجری میں ہوا اور ان کے مقابل رومی فوج دو لاکھ تھی موتہ میں یہ حضرات یکے بعد دیگرے شہید ہو رہے تھے اور یکے بعد دیگرے جھنڈا لے رہے تھے اور یہاں حضور ﷺ مدینہ منورہ مسجد نبوی شریف میں بیٹھے ہوئے ان تمام واقعات کی خبر دے رہے تھے گویا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے تھے (بخاری ۳۷۵۷ کتاب المناقب ،مشکوۃ حدیث ۵۸۸۷ کتاب الفضائل) یہ ہے حضور ﷺ کا علم غیب بلکہ حاضر و ناظر ہونا آج دوربین کے ذریعے انسان دور کی چیز دیکھ لیتا ہے تو نبوت کی دوربین کا کیا کہنا۔

۶-۷ حج اور حیات النبی ﷺ اور حاضر و ناظر ہونا:

انبیاء کرام کا بعد از وصال حج کرنا

عن ابی موسی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ:لَقَدْ مَرَّ بِالرَّوْحَاءِ سَبْعُوْنَ نَبِيًّا فِيْهِمْ نَبِيُّ اللهِ مُوْسٰى علیھم السلام حُفَاةً عَلَيْهِمُ الْعَبَاءُ يَؤُمُّوْنَ بَيْتَ اللهِ الْعَتِيْقِ. وفی روایة : لَقَدْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ سَبْعُوْنَ نَبِيًّا كُلُّهُمْ خَلَعُوْا نِعَالَهُمْ مِنْ ذِی طُوًى تَعْظِيْمًا لِلْحَرَمِ.

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مقام روحا سے ستر انبیاء کرام علیہم السلام گزرے ہیں اُن میں موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں وہ تمام ننگے پاؤں اور عبائیں پہنے ہوئے بیت اللہ شریف کے ارادے سے جا رہے ہیں۔ ایک روایت میں ہے اس گھر کا ستر انبیاء کرام علیہم السلام نے حج کیا ہے اور تمام نے ذی طویٰ سے حرم شریف کی تعظیم کی خاطر اپنی جوتیاں اتار دی ہیں۔(رواہ ابویعلی والطبرانی ولا بأس باسنادہ فی المتابعات ترغیب وترہیب حدیث:۱۷۳۹ جلد ۲/ ۱۱۸، (تخلیص الحبیر لابن حجر عسقلانی کتاب الحج باب دخول مکۃ جلد۲ ص ۴۶۳ حدیث:۱۰۰۹))

جب کعبہ کی تعظیم کے لئے انبیاء کرام جوتیاں اتار کر جا رہے ہیں تو ان کی تعظیم کا کیا کہنا جو کعبہ کے بھی کعبہ ہیں۔کعبہ مخلوق ہے اور حضور ﷺ ساری مخلوق حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی افضل ہیں جب کعبہ کی تعظیم کے لئے ننگے پاؤں چلنا جائز ہے تو افضل الخلق کی تعظیم کے لئے بھی ننگے پاؤں چلنا جائز ہے اور نبی کریم ﷺ کی تعظیم جیسے زندگی میں تھی ایسے ہی بعد الوصال بھی ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہما السلام کا حج کرنا:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَمَرَرْنَا بِوَادٍ فَقَالَ: اَيُّ وَادٍ هٰذَا؟ فَقَالُوْا: وَادِي الْأَزْرَقِ قَالَ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى مُوْسٰى عليه السلام وَاضِعًا إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ لَهُ جُؤَارٌ إِلَى اللهِ بِالتَّلْبِيَةِ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِيْ.، قال ثُمَّ سرنا حتی أتينا عَلَى ثَنِيَّةٍ فَقَالَ: أَيُّ ثَنِيَّةٍ هٰذِهٖ؟ قَالُوْا: هَرْشَى أَوْ لِفْتٌ. قَالَ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى يُوْنُسَ عليه السلام عَلَى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ عَلَيْهِ جُبَّةُ صُوْفٍ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِي مُلَبِّيًا .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی کے پاس

سے گذرے آپ نے فرمایا: یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یہ وادی ازرق ہے آپ نے فرمایا گویا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ انہوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں دی ہوئی ہیں اور بلند آواز سے تلبیہ پڑھتے ہوئے اس وادی سے گذر رہے ہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا پھر ہم نے چلنا شروع کیا یہاں تک کہ ہم ایک وادی میں پہنچے آپ نے فرمایا: یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یہ ہرشے یالفت ہے آپ نے فرمایا گویا کہ میں حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک سرخ رنگ کی اونٹنی پر سوار ہیں اُن پر ایک اونی جبہ ہے اور وہ لبیک پڑھتے ہوئے اس وادی سے گذر رہے ہیں۔

﴿مسلم حدیث:۱۶۶ کتاب الایمان مشکوۃ ۵۷۱۷ کتاب الفضائل باب بدء الخلق﴾

ان تمام احادیث سے حیات النبی ﷺ اور حاضر و ناظر کا مسئلہ روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا ماننے والوں کے لئے یہی حدیثیں کافی ہیں علامہ اقبال کہتے ہیں۔

تقدیرِ امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہوتو کافی ہے اشارہ

شارح مسلم علامہ نووی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء کرام حج اور تلبیہ کس طرح کرتے ہیں حالانکہ وہ وفات پا چکے ہیں اس کا جواب یہ ہے أنهم كالشهداء بل هم أفضل منهم والشهدا أحياء عند ربهم فلا يبعد أن يحجوا ويصلوا كما ورد في الحديث الآخر کہ انبیاء علیہم السلام بمنزلہ شہداء ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اس لئے ان کا حج کرنا اور نماز پڑھنا بعید نہیں جیسا کہ دوسری حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ ﴿شرح مسلم﴾ شیخ القرآن مفتی احمد یار خاں صاحب اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

چونکہ یہ حضور ﷺ کا آخری حج تھا اس لئے آسمانوں اور زمین سے حضرات انبیاء کرام برکت حاصل کرنے کے لئے شریک ہوئے۔ حضور ﷺ نے انہیں ملاحظہ فرمایا اس واقعہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضرات انبیاء کرام بہ حیات کامل زندہ ہیں۔ ان کی موت ان کی زندگی کو فنا نہیں کرتی جیسے شہدا کا قتل ان کی زندگی فنا نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ وہ حضرات جہاں چاہیں جاتے آتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ان کی صرف روح نہیں جاتی بلکہ جسم شریف بھی سیر کرتا ہے۔ چوتھے یہ کہ انہیں اس دنیا کی خبر رہتی ہے کہ آج کہاں کیا ہو رہا ہے دیکھو حضور ﷺ کا حج اس جہان میں ہوا اور ان حضرات کو اُس جہان میں خبر ہوئی۔ پانچویں یہ کہ حضور ﷺ اور بعض حضور کے غلام ان بزرگوں کو دیکھتے اور ان کی آوازیں سنتے ہیں ان سے ملاقاتیں کرتے ہیں اونٹنی پر سوار ہونا کانوں میں انگلیاں دینا تلبیہ کہنا جسم کا کام ہے صرف روح کا نہیں۔ (مراۃ جلد ۷ ص ۵۸۹)

۸۔نسبت مجازی: افعال خدا کی سبب کی طرف نسبت کرنا شرک نہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حج اور عمرہ ملا کر کرو کہ ﴿فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ﴾ یہ دونوں غریبی اور گناہوں کو ایسے مٹا دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے سونے اور چاندی کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے اور مقبول حج کا ثواب جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔ (ترمذی حدیث:۸۱۰ نسائی، ابن ماجۃ، مشکوۃ حدیث:۲۵۲۴ کتاب المناسک) حج مبرور کا معنی ہے وہ حج جس میں کوئی گناہ نہ کیا ہو، یا وہ حج جو دکھلاوے کے لئے نہ ہو محض اخلاص سے ہو یا وہ حج جس کے بعد کوئی گناہ نہ ہو حاکم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج مبرور کی تفسیر کھانا کھلانے اور اچھی باتوں سے کی ہے۔ ﴿شرح مسلم نووی﴾ (حج اور عمرہ ملا کر کرو) یعنی ایک سفر میں حج وعمرہ دونوں ادا کرلو خواہ قران کرو یا تمتع یہ تو باہر والوں کے لئے ہوا یا اے مکہ والو حج کے بعد عمرہ بھی کرلو، کیونکہ مکہ والوں کو زمانہ حج میں عمرہ منع ہے بہرحال یہ حدیث سارے مسلمانوں کے لئے ہے مکی ہوں یا غیر مکی۔ قران یا تمتع یا حج اور عمرہ ملا کر کرنے سے دل کی اور ظاہری فقیری بھی بفضلہٖ دور ہوتی ہے اور گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اس کا تجربہ بھی ہے۔ خیال رہے کہ گناہ وفقر دور کرنا رب کا کام ہے مگر یہاں اُسے حج وعمرہ کی طرف نسبت کیا گیا کہ یہ اس کا سبب ہے، لہٰذا

کہہ سکتے ہیں کہ اللہ رسول غنی کرتے ہیں ﴿اَغْنَاهُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ﴿سورۃ التوبہ آیت:۷۴) مراۃ جلد۴ ص:۹۵﴾

قرآن وحدیث میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ﴿کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ﴾ اس دانہ کی طرح جس نے اگائیں سات بالیں۔(سورہ بقرۃ آیت ۲۶۱) دیکھو اگانے والے رب تعالیٰ ہے مگر یہاں دانے کی طرف اس کی نسبت کردی گئی معلوم ہوا کہ سبب کی طرف فعل کی نسبت جائز ہے۔ تفسیر نور العرفان اسی طرح حدیث میں بخار کو خطائیں دور کرنے والا بتایا گیا ایک صحابیہ نے بخار کو برا بھلا کہا تو ارشاد فرمایا: لا تُسَبِّي الْحُمّٰى فَإِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ كَمَا يُذْهِبُ الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ بخار کو برا نہ کہو وہ تو انسان کی خطائیں ایسے دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو۔ (مسلم ۲۵۷۵-مشکوۃ ۱۵۴۳)

کھجور کو دافع البلاء قرار دیا گیا ہے:

عن انس رضی الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ: فَخَيْرُ تَمَرَاتِكُمُ الْبَرْنِيُّ يَذْهَبُ بِالدَّاءِ وَلَا دَاءَ فِيْهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری کھجوروں میں سے بہترین کھجور برنی ہے وہ بیماری کو لے جاتی ہے اور اُس میں کوئی بیماری نہیں۔(رواہ الحاکم ۴/۲۲۶ حدیث ۷۴۵۰ سلسلہ احادیث الصحیحہ حدیث:۱۸۴۴)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: برنی کھجور بیماری کو لے جاتی ہے۔ یعنی برنی کھجور دافع البلا والوباء ہے اور یہ حدیث بھی صحیح ہے کیونکہ اس کو غیر مقلدین حضرات کے چوٹی کے محدث ناصر الدین البانی نے صحیح کہا ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دافع البلاء والوباء تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن حضور ﷺ برنی کھجور کو دافع البلاء کہہ رہے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقی دافع البلاء والوباء اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں اس کھجور کی طرف جو دافع البلاء والوباء کی نسبت کی گئی ہے وہ نسبتِ مجازی ہے کیونکہ یہ بیماری دور کرنے کا سبب ہے تو اگر ایک عام مخلوق کو مجازی طور پر دافع البلاء والوباء کہنا جائز ہے تو حضور ﷺ تو ساری مخلوق سے افضل ہیں آپ کو دافع البلاء والوباء کہنا ہرگز شرک نہیں کیونکہ آپ کی دعاؤں سے امت کی مشکلیں دور ہوئی ہیں اور روز قیامت بھی آپ ہی کی شفاعت سے مشکلیں دور ہوں گی۔ حضور ﷺ نے مسجد اجابہ میں دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو قحط سالی اور پانی کے عذاب سے ہلاک نہ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ مسلم شریف ۲۸۹۰ کتاب الفتن

تمہیں حاکم برایا　　تمہیں قاسم عطایا
تمہیں دافع بلایا　　تمہیں شافع خطایا
کوئی تم سا کون آیا
کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود　　طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود
شافع روزِ جزا تم پہ کروڑوں درود　　دافع جملہ بلا تم پہ کروڑوں درود

اثمد سرمہ کے متعلق فرمایا: اِكْتَحِلُوْا بِالْإِثْمِدِ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ اثمد سرمہ لگایا کرو یہ آنکھوں کی روشنی تیز کرتا ہے۔ اور بال اگاتا ہے۔ ﴿ترمذی ۱۷۵۷، ابوداود ۴۰۶۱ مشکوۃ کتاب اللباس باب الترجل ۴۴۷۲-۴۴۷۳﴾

حالانکہ روشنی تیز کرنا اور بال اگانا اللہ کا کام ہے یہاں سبب کی طرف فعل کی نسبت کی گئی ہے اور کس نے کی ہے جو امام التوحید ماحی الشرک (شرک کو مٹانے والے) ہیں اگر رب کے کاموں کی نسبت ایک ادنیٰ مخلوق کی طرف جائز ہے تو اعلیٰ اور افضل مخلوق جناب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف ناجائز کیسے ہوسکتی ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال نے کہا ہے

سمجھ میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے　　تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

تقدیر امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا　　　　　　　　مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

دیکھو سرمہ نے آنکھوں کو فائدہ دیا بینائی کمزور تھی تیز ہو گئی بصارت کی مشکل سرمہ سے دور ہوئی یہ لوگ عقل سے پیدل ہیں کہ سرمہ کو مانتے ہیں کہ وہ آنکھوں کو فائدہ دے سکتا ہے لیکن اللہ کے محبوب دانائے غیوب کے متعلق کہیں گے وہ کسی نفع نقصان کے مالک نہیں۔ سرمہ تو مشکل کشا ہو سکتا ہے لیکن اللہ کے محبوب دانائے غیوب ﷺ کو مشکل کشا کہنا شرک ہے۔ یعنی یہ سرمہ ایک ادنیٰ مخلوق پتھر کو نبی کریم ﷺ سے افضل مانتے ہیں۔

اسی امام اہل سنت فرماتے ہیں:

وہ حبیب پیارا تو عمر بھر کرے فیض وجود ہی سر بسر

ارے تجھ کو کھائے تپ سقر تیرے دل میں کس سے بخار ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سانپوں کو قتل کرو اور (خصوصاً) دودھاریوں والے اور دم بریدہ سانپ کو کیونکہ یہ بصارت کو زائل کر دیتے ہیں اور حمل کو گرا دیتے ہیں۔ بخاری ۳۲۹۷ مسلم ۲۲۳۳ مشکوۃ کتاب الصید باب ما یحل اکلہ حدیث ۴۱۱۷ یہاں بھی حضور ﷺ رب کے کاموں کی نسبت مخلوق کی طرف کر رہے ہیں۔

نماز بلائیں اور مشکلات دور کرتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تو اپنے گھر سے نکلے تو دو رکعت نماز ادا کر لیا کر تو یہ دو رکعتیں تجھے باہر کی برائی سے بچائیں گی اور جب گھر میں داخل ہو تو دو رکعت نماز ادا کر لیا کر تو یہ دو رکعتیں تجھے گھر کی برائی سے بچائیں گی۔ بزار اور دیلمی اس حدیث کو غیر مقلد محدث ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب سلسلہ احادیث الصحیحہ میں درج کیا ہے حدیث نمبر ۱۳۲۳)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز مشکلیں اور بلائیں دور کرتی ہے یعنی نماز دافع البلا اور مشکل کشا ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ نماز خالق ہے یا مخلوق ہے؟ نماز جو کہ ایک عمل ہے مخلوق ہے خالق نہیں ہو سکتی اگر مخلوق کو دافع البلا اور مشکل کشا سمجھنا شرک یا ناجائز ہوتا تو حضور ﷺ اسے کبھی دافع البلا قرار نہ دیتے کیونکہ حضور ﷺ شرک کی تعلیم نہیں دیتے وہ تو شرک کو مٹانے آئے ہیں۔ سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو اسلام کی تعلیمات کو نہ سمجھ سکے۔ اور مسلمانوں کو مشرک بناتا پھرے اور نماز مخلوق ہے اور اولیاء کرام ساری مخلوق سے افضل اور رسول اولیاء سے افضل ہیں اور تو حضور ﷺ سارے نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں کیونکہ آپ امام الانبیاء اور حبیب کبریاء ہیں تو آپ بدرجہ اُولی مشکل کشا اور دافع البلاء ہیں اور حضور ﷺ فرماتے ہیں جس کا میں مولا (مددگار) اس کے علی مولی ہیں۔ (مشکوۃ) تو حضرت علی بھی مشکل کشا ہیں۔

خلق سے اولیاء اولیاء سے رسل　　　　اور رسولوں سے اعلی ہمارا نبی ﷺ

اور تمام اولیاء بھی مشکل کشا ہیں لیکن یہ بات یاد رہے حقیقی مشکل کشا حاجت روا دافع البلا اللہ تعالیٰ ہے مخلوق کا مشکل کشا ہونا اللہ کی عطا اور اذن سے ہے جیسے نماز کو کھجور کو دافع البلاء کہا گیا ہے

اسلام، ہجرت اور حج گناہوں کو مٹاتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی رغبت پیدا کی، تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنا ہاتھ بڑھایئے میں آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمرو کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا میں کچھ شرائط طے کرنا چاہتا ہوں فرمایا: تمہاری شرائط کیا ہیں میں نے عرض کیا میری شرط یہ ہے کہ میرے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے، وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ اور حج پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(مسلم حدیث:۱۲۱ کتاب الایمان، مشکوۃ حدیث:۲۸ کتاب الایمان)

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کھینچ لیا بے ادبی کے لئے نہیں بلکہ بندہ مختار مانتے تھے، دیکھو بخشنا اللہ کا کام ہے اور شرط رسول اللہ ﷺ سے لگا رہے ہیں ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں جنت عطا فرمایئے حضور ہمیں دوزخ سے نجات نصیب ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان اور نیک اعمال معافی گناہ کا ذریعہ ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ﴾ بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں)(سورہ ہود:۱۱۴) نیکیاں خود مخلوق ہیں جو گناہوں کو مٹا رہی ہیں

تقدیرِ امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

مگر ان سے گناہ مٹتے ہیں نہ کہ حقوق العباد تو مسلم اسلام لا کر زمانہ کفر کے قرض بھی ادا کریگا اور حدود اور قصاص بھی لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ یعنی یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ زمانہ کفر میں ظلماً قتل کرلو لوگوں کے مال مارلو اور بعد میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ سب معاف یہ ناممکن۔ مراۃ جلد اص:۵۰

۹- حج اور مخلوق خدا (زمزم) کا اللہ کے حکم سے نافع اور شافع ہونا: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا: مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ آبِ زمزم جس مقصد کے لئے پیا جائے اُسی کے لئے ہے۔ ﴿ابن ماجہ حدیث ۳۰۶۲ کتاب المناسک﴾ یعنی ہر بیماری کی شفا ہے اور اس سے ہر آرزو پوری ہوتی ہے یعنی یہ برکت والا پانی دافع البلا مشکل کشا بھی ہے حاجت روا بھی کیونکہ نہ ہو کہ اُس کو دو نبیوں سے نسبت ہے اس پانی میں دو برکتیں ہیں ایک تو حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کے پاؤں شریف کا دھوون ہے اور دوسرا حبیب اللہ ﷺ کا تبرک شامل ہے۔ مبارک ہیں وہ جنہیں اس کا پینا نصیب ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ آبِ زمزم کے پاس تشریف لائے ہم نے زمزم کا ڈول نکال کر پیش کیا آپ نے نوش فرمایا پھر منہ میں پانی لے کر واپس اس میں ڈالا اور ہم نے چشمہ زمزم میں اُسے انڈیل دیا۔ (احمد حدیث ۳۳۴۷) لِمَا شُرِبَ لَهُ میں مَا مطلق ہے کسی قسم کی قید نہیں ہے یعنی جو بھی نیت کر کے پیو وہی مل جائے گا دولت مانگو رزق مانگو اولاد مانگو شفا مانگو جنت مانگو مدینہ مانگو علم مانگو عمل مانگو کوٹھی مانگو کار مانگو اللہ کی رضا مانگو ایمان پہ خاتمہ مانگو دین و دنیا کی خیر مانگو حوض کوثر کے جام مانگو نبی کا دیدار مانگو سب کچھ ملے گا۔

جرمِ عصیاں سے رہا ہونے کا چارہ مانگو — مانگنے والو محمد کا سہارا مانگو
ساقی کعبہ کا ہر جام صدا دیتا ہے — پینا چاہو تو مدینے کا نظارا مانگو
اور نہ مانگو ظہوری بس اس کے سوا — اپنے اللہ سے اللہ کا پیارا مانگو

جہاں نبی کے قدم لگ جائیں وہ جگہ وہ پانی تبرک اور شفا بن جاتا ہے تو جہاں نبی خود قیامت تک کے لئے آرام فرما ہوں وہ جگہ کتنی متبرک اور جسمانی روحانی ظاہری باطنی بیماریوں شفا ہو گی اُس نبی کے شہر کی خاک شفا بن جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- (غُبَارُ الْمَدِیْنَةِ شِفَاءٌ مِنَ الْجُذَامِ) مدینہ کے غبار میں جذام (کوڑھ) سے شفا ہے۔ (وفاء الوفاء ۱/۶۷) حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آئے تو لوگ آپ کے استقبال کے لئے آئے اور لوگوں کے چلنے سے غبار اڑا تو بعض صحابہ نے ناک پر کپڑا رکھ لیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ناک اور منہ کھلا رکھا، اور فرمایا:- (وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ فِی غُبَارِهَا شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ) اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے مدینہ کے غبار میں ہر بیماری سے شفا ہے۔ (وفاء الوفاء ۱/۶۷) بیوقوف لوگ کہتے ہیں نبی ولی کچھ نفع نہیں دے سکتے۔ اگر ان کی بات کو صحیح مانا جائے تو پھر قرآن پر ایمان نہیں رہتا ذرا قرآن سے پوچھو قرآن کیا کہتا ہے۔ قرآن کی رو سے نبی کے جسم سے جو کپڑا مس کر جائے وہ کپڑا بھی باعثِ شفا اور دافع البلا بن جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ

اَبِـی یَـاْتِ بَـصِیْرًا میرا یہ کرتا لے جاؤ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو تو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔(سورہ یوسف:۹۳) نبی کے تبرک یعنی کپڑے کی یہ تاثیر ہے کہ آنکھوں کی مشکل حل ہوگئی تو پھر نبی کی اپنی شان کیا ہوگی اسی لئے تو ہم کہتے ہیں کہ مدینہ دارالشفا ہے جو گناہوں کی بیماری لے کر آئے اور یہاں آ کر استغفار کرے اور نبی کریم ﷺ اُس کی شفارش کر دیں تو وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔

مجرم بلائے آئے ہیں جائوك ہے گواہ　　پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے
آبِ زم زم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں　　آؤ جودِ شاہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو
حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو　　کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو
غور سے سن تو رضؔا کعبہ سے آتی ہے صدا　　میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

۱۰-حجر اسود کا علم اور اللہ کے حکم سے نافع اور شافع ہونا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے متعلق فرمایا: وَالـلهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللهُ يَومَ القيامةِ لَهُ عَيْنَان يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ يَشْهَدُ عَلَى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍ رب کی قسم اللہ اسے قیامت کے دن ایسے اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھتا ہوگا اور ایک زبان ہوگی جن سے وہ بولتا ہوگا حق سے چومنے والوں کی گواہی دے گا۔﴿ترمذی ۹۶۱ ابن ماجہ ۲۹۴۴ مشکوۃ ۲۵۷۸ کتاب المناسک باب دخول مکہ الترغیب ۱۷۱۷﴾

اس حدیث کے تحت مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں

اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے:

۱-ایک یہ کہ سنگ اسود حاجیوں کی شفاعت کرے گا۔　　۲-دوسرے یہ کہ حجر اسود بحکم الٰہی نافع ہے۔

۳-تیسرے یہ کہ حجر اسود کا چومنا مفید ہے قیمت میں کام آئے گا۔　　۴-چوتھے یہ کہ کڑوڑوں آدمیوں نے اسے چوما یہ ان سب کو جانتا پہچانتا ہے۔

۵-پانچویں یہ کہ حجر اسود ہمارے اخلاص و نفاق کو بھی جانتا ہے کہ کون اخلاص سے چوم رہا ہے اور کون نفاق سے۔

۶-چھٹے یہ کہ حجر اسود حاجیوں کے اچھے بُرے خاتمے کو جانتا ہے۔ کہ کون ایمان پر مرا اور کون کفر پر تب ہی تو وہ مومن مخلص کی شفاعت کرے گا مرتد منافق کی شفاعت نہ کرے گا جب ایک پتھر کے علم اور نفع کا یہ حال ہے تو حضور ﷺ جن کو رب نے سید الخلق ﷺ بنایا ہے ان کے علوم کا کیا پوچھنا جو لوگ حضور ﷺ کے لئے علوم خمسہ نہیں مانتے وہ اس حدیث میں غور کریں۔مرات جلد ۴ ص ۱۳۳

ان لوگوں کی عقل پر رونا آتا ہے ایک پتھر کا علم تو مانتے ہیں لیکن نبی ﷺ کے علم کا انکار کرتے ہیں ایک پتھر کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ فائدہ مند ہو سکتا ہے۔لیکن ان سے پوچھ کر دیکھ لو وہ صاف کہیں گے نبی کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا۔یعنی ان کا ایمان پتھر پر ہے جو ایک عام مخلوق ہے اسی نبی پر نہیں جو افضل الخلق ہیں۔ ان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ یہ ساری نعمتیں سرکار کی طفیل ہیں۔اگر سرکار نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا اسی لئے امام اہل سنت فرماتے ہیں

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ منٰی　　لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے
ان کی طفیل حج بھی خدا نے کرادیئے　　اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے
کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلی کا ایک ظل روشن انہیں کے عکس سے پُتلی حجر کی ہے

لطیفہ : مولانا شفیع اوکاڑوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی دلائل سے نہ مانے تو ایک موٹا ڈنڈا لے کر اس کی کمر میں مارو اور پوچھو حضرت صاحب میرے ڈنڈے نے آپ کو کوئی نقصان تو نہیں دیا اگر کہے نہیں تو ایک دو اور مارو اور اگر کہے کہ نقصان دیا ہے تو کہو اگر میرا ڈنڈا تمہیں نقصان دے سکتا ہے تو اللہ کے محبوب اللہ کے اذن سے فائدہ کیوں نہیں پہنچا سکتے۔ جب کہ نبی پاک رحمۃ للعالمین ہیں۔حضور ﷺ کی تو

بڑی شان ہے آپ کے مبارک فائدہ پہنچاتے ہیں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے بال مبارک ٹوپی میں رکھ لئے تھے جس جنگ میں بھی جاتے تھے فتح ہوتی تھی۔شفا شریف

حجر اسود کا بذاتہ نفع نقصان پہنچانے کی نفی: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور فرمایا: میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے تو نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔(بخاری ۱۵۹۷ مسلم ۱۲۷۰ مشکوۃ ۲۵۸۹ باب دخول مکہ)

اس حدیث کے تحت مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں: یعنی اے سنگ اسود میں تجھے پوجتا نہیں چومتا ہوں تجھے عبادت کا بوسہ نہیں دیتا بلکہ تعظیم کا بوسہ دیتا ہوں کیونکہ عبادت اس اللہ کی ہے جو بذات خود نفع نقصان کا مالک ہے، یہ اس لئے فرمایا کہ عہد فاروقی کے نومسلم لوگ جواب تک پتھر پوجتے تھے وہ اس تعظیم کو پتھر کی عبادت نہ سمجھ لیں۔مرقات میں ہے کہ یہاں نفع نقصان سے مراد بالذات نفع پہنچانا ہے ورنہ حجر اسود بحکم پروردگار بہت نافع ہے کہ اس کا چومنا عبادت اور باعثِ ثواب ہے۔ابن عباس کی حدیث میں بیان ہوا کہ اپنے اخلاص سے چومنے والوں کے ایمان کی گواہی دے گا۔اس جگہ مرقات میں بروایت حاکم ہے کہ فاروق اعظم کے اس فرمان پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین یقیناً سنگ اسود مفید بھی ہے اور مضر بھی رب العالمین نے تمام روحوں سے جو اپنی وحدانیت کا اقرار لیا تھا وہ اقرار نامہ اسی پتھر میں محفوظ ہے اور یہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی آنکھیں اور ہونٹ ہوں گے مخلصین کی گواہی دے گا یہ اللہ کا امین ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابوالحسن جس زمین میں تم نہ ہو مجھے خدا وہاں نہ رکھے (مرقاۃ) فقیر احمد یار کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمانہ کے جہلا کا انتظام فرماتے ہوئے سنگ اسود سے یہ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیامت تک کے وہابیوں کا انتظام فرماتے ہوئے اس کے یہ فضائل بیان فرمائے دونوں بزرگوں کے کلام برحق ہیں اور مسلمانوں کو مفید۔(مرات جلد ۴ ص ۱۳۸) اس حدیث کے تحت علامہ عینی نے (عمدۃ القاری)، علامہ قسطلانی نے (ارشاد الساری) میں اور ملا علی قاری نے (مرقات) میں اور علماء دیو بند میں سے شیخ عثمانی نے (فتح الملہم) میں خلیل احمد انبیٹھوی نے (بذل المجھود) میں لکھا ہے کہ حجر اسود بالذات نفع نقصان نہیں پہنچاتا یعنی جو نفع پہنچائیگا اللہ کی عطاء سے ہوگا اسی اسلوب پر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِی نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ﴾ کہ آپ کہیے کہ میں اپنے نفس کے لئے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں مگر اللہ تعالیٰ جو چاہے۔(سورہ الاعراف ۱۸۸) علماء اہل سنت یہاں بھی بالذات کی قید لگاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بذاتہ نفع اور ضرر نہیں پہنچاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ میں جو نفع رکھا ہے وہ نفع آپ پہنچاتے ہیں کہ آپ کا کلمہ پڑھنے آپ کی تبلیغ اور آپ کی شفاعت سے اربہا انسانوں کو نفع پہنچے گا اور وہ سب آپ کی وجہ سے جنت میں جائیں گے یہ کوئی کم نفع ہے؟ لیکن علماء نجد اور علماء دیو بند اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں بالذات کی قید لگانا اور ذاتی اور عطائی اختیارات کی تقسیم خالص مشرکانہ عقیدہ ہے اور یہ قید خانہ زاد اور سینہ زاد ہے قرآن مجید نے آپ کی ذات سے مطلقاً نفع رسائی کی نفی کر دی ہے اور ذاتی اور عطائی کی تقسیم اہل بدعت کی ایجاد اور اختراع ہے وغیرہ وغیرہ، ہم کہتے ہیں کہ آپ ایک پتھر (حجر اسود) کی نفع رسائی ثابت کرنے کے لئے حضرت عمر کے قول لاتنفع میں بالذات کی قید لگائیں تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ہم رسول اللہ ﷺ کی نفع رسائی ثابت کرنے کے لئے لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِی نَفْعًا میں بالذات کی قید لگائیں تو مجرم قرار پائیں یہ کہاں کا انصاف ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی اس نفع رسانی سے کون انکار کرسکتا ہے کہ انسان محمد رسول اللہ ﷺ کہے تو جنت کا مستحق ہو جاتا ہے بلکہ اس وقت تک کوئی شخص جنت کا مستحق نہیں ہوگا جب تک وہ محمد رسول اللہ ﷺ نہ کہے گا اللہ اکبر جن کے نام کی نفع رسانی کا یہ عالم ہے ان کی ذات کے نفع رسانی کا کیا عالم ہوگا اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو رسول اللہ ﷺ کی نفع رسانی کا انکار کرتا ہے وہ آپ کا نام نہ لے اور ہمیں جنت میں جا کر دکھائے۔(شرح مسلم جلد ۳ ص ۵۰۰)

۱۱- آثار صالحین کو بوسہ دینے کا جواز: انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: حجر اسود کو بوسہ دینا شرعاً ثابت ہے اس لئے یہ صالحین کے تبرکات کو

بوسہ دینے کی اصل ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مصحف کو بوسہ دیا اور امام احمد نے روضہ مطہرہ کے بوسہ دینے کو جائز کہا ابن تیمیہ اس سے حیران ہوا کیونکہ یہ ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (فیض الباری شرح بخاری جلد۳ ص ۹۶ مطبوعہ مطبع حجازی مصر)

امام احمد بن حنبل کا فتویٰ اور ابن تیمیہ کی حیرت: حجر اسود کو بوسہ دینے کی مشروعیت سے فقہاء اسلام نے نبی ﷺ صحابہ کرام اور صالحین کے آثار کو بوسہ دینے پر استدلال کیا ہے۔

شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: کہ ہمارے شیخ زین الدین فرماتے ہیں کہ مقامات شریفہ اور صالحین کے ہاتھوں اور پیروں کو برکت حاصل کرنے کی نیت سے بوسہ دینا مستحسن ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اپنے جسم میں وہ جگہ دکھائیں جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے بوسہ دیا تھا اور وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ناف تھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی اولاد کے آثار سے برکت حاصل کرنے کے لئے اس جگہ کو بوسہ دیا۔ حضرت ثابت بنانی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو اس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے جب تک اس کو بوسہ نہیں دے لیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کو چھوا ہے اور شیخ زین الدین نے فرمایا کہ مجھ سے حافظ ابوسعید ابن علائی نے کہا کہ میں نے ایک پرانی کتاب میں ابن ناصر اور دیگر محدثین کے ہاتھوں سے لکھا ہوا دیکھا کہ امام احمد بن حنبل سے نبی کریم ﷺ کی قبر اور آپ کے منبر کو چومنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام احمد نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ابن العلائی نے کہا کہ ہم نے ابن تیمیہ کو یہ مقام دکھایا تو وہ بہت متعجب ہوا اور کہنے لگا کہ تعجب ہے، امام احمد میرے نزدیک بہت بزرگ تھے اور ان کا یہ کلام ہے۔ ابن علائی نے کہا اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ ہم نے امام احمد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے امام شافعی کی قمیص کو دھوکر اس کا غسالہ (دھوون) پیا ہے جب وہ اہل علم کی اس قدر تعظیم کرتے تھے تو صحابہ کرام کے تبرکات کی کس قدر تعظیم کرتے ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ کے آثار کی تعظیم کے لئے امام احمد کی عقیدت کا کیا حال ہوگا؟

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ محب طبری نے فرمایا: حجر اسود اور دیگر ارکان کو بوسہ دینے سے ہر اس چیز کو بوسہ دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے جن کو بوسہ دینے میں اللہ کی تعظیم ہو، کیونکہ اس سلسلے میں اگر کسی حدیث میں تعظیم کا حکم نہیں آیا ہے تو کسی حدیث میں اس کی ممانعت یا کراہت بھی نہیں آئی ہے، اور میرے جد محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی صیف سے روایت کرتے ہیں کہ بعض حضرات جب مصحف (قرآن مجید) کو دیکھتے تو ان کو بوسہ دیتے اور جب احادیث کے اوراق دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور جب صالحین کی قبروں کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور یہ بات بعید نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۷ ص ۱۲۶ حدیث نمبر ۱۵۹۷)

۱۲- حج اور تعظیم نبی اور تبرکات کی اہمیت: موئے مبارک صحابہ کرام کو ساری دنیا سے زیادہ محبوب تھے۔

حضرت امام ابن سیرین سے روایت ہے کہ میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض گذار ہوا کہ ہمارے پاس نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ یا حضرت انس کے گھر والوں سے ملے ہیں۔ فرمایا: میرے پاس اُن میں سے ایک موئے مبارک ہوتا تو مجھے وہ دنیا و مافیہا (دنیا اور کی تمام نعمتوں) سے زیادہ عزیز ہوتا۔ بخاری حدیث ۱۷۰

ہمارے حضور پُر نور ﷺ کا بال شریف نورانی و بے مثل ہے اور آپ ﷺ کے ایک بال مبارک کی بھی ہمسری کوئی نہیں کر سکتا کہ رب تعالی نے قرآن میں اپنے محبوب ﷺ کی زلفوں کی قسم ذکر کی ہے

ہے کلامِ الٰہی میں شمس وضحٰی — ترے چہرۂ نُور فزا کی قسم
قسمِ شبِ تار میں راز یہ تھا — کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

مبارک بالوں کے حصول کا خوبصورت منظر اور تعظیم نبی ﷺ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے

دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کا سر مونڈھ رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب آپ کے گرد گھوم رہے تھے، وہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کا کوئی بال بھی زمین پر گرنے کے بجائے اُن کے ہاتھوں میں گرے۔(مسلم حدیث ۲۳۲۵)

فائدہ...... صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے بالوں کو بھی بے نظیر و بے مثل سمجھتے تھے اور اس لئے بطور تبرک اپنے پاس رکھتے تھے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور بزرگانِ دین کے بال وغیرہ کو بطور تبرک رکھنا، ان کی تعظیم کرنا اور ان سے نفع و برکت کی اُمید رکھنا جائز ہے۔اگر شرک و بدعت ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کبھی ایسا نہ کرتے۔

بالوں کی تقسیم: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مُنڈوایا تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے موئے مبارک حاصل کئے۔(بخاری اصلاح مفاہیم ص (۲۴۷) از شیخ علوی مالکی مترجم انیس احمد دیوبندی) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمرہ کی کنکریاں ماریں اور اونٹوں کو نحر کیا پھر حجام کے سامنے دائیں جانب کی اور اُس نے (وہ جانب) مونڈھ دی پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوطلحہ کو بلایا اور ان کو وہ بال مبارک دیئے پھر آپ ﷺ نے (اُس کے سامنے) بائیں جانب کی اور فرمایا مونڈ دو اُس نے (وہ جانب) مونڈھ دی پھر آپ نے وہ بال حضرت ابوطلحہ کو دیئے اور فرمایا: ان بالوں کو لوگوں تقسیم کر دو۔(مسلم ۱۳۰۵ مشکوۃ ۲۶۵۰ کتاب المناسک باب الحلق)

تقسیم کی حکمت: شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی ﷺ کے موئے مبارک سے برکت حاصل کرنے اور حفاظت سے رکھنے کا ثبوت ہے اور یہ مسئلہ ہے کہ اپنے اصحاب اور متعلقین کو ہدایا اور عطیات دے کر اُن سے رابطہ اور حُسنِ سلوک رکھنا چاہیے اور یہ کہ ان میں مساوات ضروری نہیں ہے۔علامہ زرقانی نے کہا کہ آپ نے ان کو بال اس لئے تقسیم فرمائے تاکہ اُن کے پاس آپ ﷺ کی برکت باقی رہے اور اس میں آپ ﷺ کی وفات کے قرب کی طرف اشارہ ہے اور شاید اس لئے آپ ﷺ نے حضرت ابوطلحہ کو بال تقسیم کرنے کے لئے فرمایا تھا کیونکہ آپ ﷺ کی لحد مبارک انہوں نے ہی تیار کرنی تھی۔(فتح الملہم شرح مسلم ج ۳ ص ۳۴۰ شبیر احمد عثمانی)

نواب صدیق حسن خان اہل حدیث نے بھی اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی ے حوالوں سے نبی ﷺ کے موئے مبارک سے برکت حاصل کرنے کے سلسلے میں یہی لکھا ہے (السراج الوھاج ۱/۴۷۰) شرح مسلم علامہ سعیدی ۳/۵۴۷

مبارک ناخنوں کی تقسیم: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور قریش میں سے ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جبکہ آپ ﷺ قربان گاہ میں قربانی کا گوشت تقسیم فرما رہے تھے مجھے اور میرے ساتھی کو کچھ نہ مل سکا پھر آپ ﷺ نے اپنے کپڑے میں اپنے سر کا حلق کرایا اور مجھے بال مبارک عطا کئے اور لوگوں میں بھی تقسیم فرمائے اور اپنے ناخن مبارک ترشوائے اور میرے ساتھی کو عطا کئے۔(مسند احمد) حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے گھر والوں نے مجھے ایک پیالے میں پانی دے کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خدمت میں بھیجا اور اسرائیل (راوی حدیث) نے اپنی تین اُنگلیاں بند کر کے اُس پیالی کی طرح بنائی جس کے اندر نبی کریم ﷺ کا موئے مبارک ڈالا گیا تھا چنانچہ کسی آدمی کو نظر لگ جاتی یا اور کوئی تکلیف ہوتی تو اُس کی طرف ایک برتن میں پانی بھیج دیا جاتا پس میں (عثمان) نے برتن میں جھانک کر دیکھا تو میں نے چند سُرخ بال دیکھے۔بخاری ۵۸۹۶ مشکوۃ ۴۵۶۸ کتاب الطب الفصل الثالث

وضاحت:-اہل مدینہ کو جب کوئی بیماری یا نظر بد یا کوئی اور تکلیف ہوتی تو وہ برتن میں پانی دے کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیج دیتے اس حدیث سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ایک یہ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے بال مبارک برکت کے لئے اپنے اپنے گھروں میں رکھتے تھے دوسرے یہ کہ اُس بال مبارک کا بہت ہی ادب واحترام کرتے تھے کہ اُس کے لئے خاص ڈبہ بناتے اور اُس میں خوشبو بساتے تھے تیسرے یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے بال مبارک کو دافع بلا باعثِ شفا سمجھتے تھے کہ انھیں پانی میں غسل دے کر شفا کے لئے پیتے تھے

کیوں نہ ہو جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص دافع بلا ہو سکتی ہے تو حضور ﷺ کے بال مبارک بدرجۂ اولیٰ دافع بلا ہو سکتے ہیں چوتھے یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے بال مبارک کی زیارت کرنے جاتے تھے جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا۔ (مراۃ شرح مشکوٰۃ-۶/۲۴۸)

سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو
ہم سیہ کاروں پہ یارب تپشِ محشر میں
سایہ فگن ہوں ترے پیار کے پیارے گیسو

ہمسری کے دعویداروں سے پوچھئے کہ ان کے بال بھی کسی نے دھو کر پیئے ہیں اور اُس نے شفا پائی ہے اگر نہیں تو پھر انبیائے کرام علیہم السلام سے ہمسری کا دعویٰ کیوں......؟ ایں خیال است ومحال است وجنوں!

اللہ کی تلوار کا ایک ایمان افروز واقعہ: دنیائے کفر کے لئے قہر الٰہی کی ننگی تلوار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جن کی نوک شمشیر سے اسلام کی عالمگیر فتوحات کی عظیم تاریخ مرتب ہوئی اور اُن کی فتوحات ضرب المثل ہیں اسلام کے اس جلیل القدر جرنیل کی یہ فتوحات حضور ﷺ کے بال شریف کی ہی بدولت تھیں گویا کہ حضور ﷺ کے بال بھی دافع البلاء اور مشکل کشا ہیں

برکت موئے مبارک سے ملے فتح وظفر
اس کا سایہ بھی کسی وقت میں نہ آیا نظر

حضرت جعفر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگِ یرموک کے موقعہ پر ایک ٹوپی پہنے ہوئے تھے (اتفاق سے) وہ کہیں گر گئی آپ نے اُسے تلاش کر کے حاصل کیا اور فرمایا: کہ حضور ﷺ نے عمرہ کر کے حلق کروایا تو لوگوں نے بال حاصل کرنے میں جلدی کی اور میں اُن کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اُن بالوں کو میں نے اس ٹوپی میں محفوظ کر لیا تھا ہر معرکہ میں یہ بال میرے ساتھ ہوتے ہیں اور انہی کی برکت سے مجھے فتح حاصل ہوتی ہے۔ (خصائص کبری، طبرانی ورجالہ ثقات، شفا شریف۲/ ۵۶، وابویعلی، المطالب العالیہ۴/ ۹۰ وعمدۃ القاری شرح بخاری جلد۲ص ۴۸۴ حدیث ۱۷۰) معلوم ہوا:- کہ موئے مبارک کی برکتوں سے مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں اور فتوحات قدم چومتی ہیں چومتی ہیں جس ذاتِ کریم کے بال مبارک مشکل کشا اور دافع البلا ہیں وہ ذات بابرکات خود کیوں مشکل کشا اور دافع البلاء نہ ہو گی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو حضور ﷺ سے اتنا عشق و پیار تھا کہ وہ حضور ﷺ کے بال مبارک بطور تبرک لینے کو پروانہ وار جھکے پڑتے تھے۔

۱۳- حج اور ایصال ثواب:

قربانی کے جانور پر غیر اللہ کا نام

عن عائشة رضی الله عنها أنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ أمَرَ بِكَبْشٍ أقْرَنَ يَطَأُ فِي سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِي سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ فَأُتِيَ بِهِ لِيُضَحِّيَ بِهِ فَقَالَ لَهَا يَا عَائِشَةَ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلَتْ ثُمَّ أخَذَهَا وَأخَذَ الْكَبْشَ فَأَضْجَعَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ ثُمَّ قَالَ:بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وآلِ مُحمدٍ ومِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سینگوں والا مینڈھا لانے کا حکم دیا، جس کے ہاتھ پیر اور آنکھیں سیاہ ہوں سو قربانی کے لئے ایسا مینڈھا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا گیا، آپ نے فرمایا اے عائشہ! چھری لاؤ، پھر فرمایا: اس کو پتھر سے تیز کرو میں نے اس کو تیز کیا پھر آپ نے چھری لی، مینڈھے کو پکڑا، اُس کو لٹایا اور ذبح کرنے لگے پھر کہا (بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وآلِ مُحمدٍ ومِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ) اللہ کے نام سے، اے اللہ! محمد،

آلِ محمد اور امت محمد کی طرف سے اس کو قبول فرما پھر اس کی قربانی کی (مسلم حدیث (١٩٦٧) مشکاۃ حدیث (١٤٥٤) کتاب الصلاۃ باب فی الأضحیۃ)

یعنی قربانی کے ثواب میں انہیں بھی شریک فرما دے اس سے معلوم ہوا کہ اپنے فرائض وواجبات کا ثواب دوسروں کو بخش سکتے ہیں اس میں کمی نہیں آسکتی، یہ حدیث کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب کرنے کی قوی دلیل ہے کہ بکرا سامنے ہے اور حضور اس کا ثواب اپنی آل اور امت کو بخش رہے ہیں۔ (مراۃ ج ٢ ص: ٣٦٨) نیز اس بکرے پر حضور ﷺ آپ کی آل پاک اور تمام امت کا نام آیا ہے اگر ایصال ثواب کی غرض سے بکرے پر صرف حضور غوث پاک کا نام آنے سے بکرا اور گیارھویں کا کھانا حرام ہو جاتا تو حضو ﷺ اس قربانی کے بکرے پر اپنی آل اور امت کا نام کبھی لیتے اور یہ قربانی اُس دن ہوئی جب دن دسواں رات گیارھویں تھی اور حضور غوث پاک آل پاک میں شامل ہیں اس سے معلوم ہو گیا کھانے وغیرہ پر حضور ﷺ کی آل پاک حضرت امام حسن وحسین اور حضور غوث پاک کا نام لینا امام الانبیاء کی سنت ہے۔

کھانا اپنے سامنے رکھ کر قرآنی آیات پڑھنا:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: ذَبَحَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ الذَّبْحِ کَبْشَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ مُوْجَئَیْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ: إِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ إِنَّ صَلَاتِی وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِهٖ بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ. وفی روایة وَقَالَ: بِسْمِ اللهِ وَاللهُ اَکْبَرُ هٰذَا عَنِّی وَعَمَّنْ لَمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے دن نبی ﷺ نے دو سینگوں والے سرمئی خصی مینڈھے ذبح کیے جب آپ نے ان کو قبلہ کے رخ پر لٹایا تو یہ دعا پڑھی: میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے ملت ابراہیم پر ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں ☆ میری نماز میری قربانیاں اور میرا جینا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہان کا ☆ اس کا کوئی شریک نہیں مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں ☆ الٰہی یہ تجھ سے ہے اور تیرے لئے ہے محمد ﷺ اور ان کی امت کی طرف سے۔ بسم اللہ واللہ اکبر پھر ذبح کیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہا: بسم اللہ واللہ اکبر الٰہی یہ میری طرف سے اور میرے امت کے اُن لوگوں طرف سے جو قربانی نہ کر سکیں۔ (ابوداود: ٢٧٩٥، ٢٨١٠، ترمذی: ١٥٢١، ابن ماجہ حدیث: ٣١٢١، مشکوۃ حدیث: ١٤٦١ کتاب الصلاۃ باب فی الأضحیۃ)

اس روایت میں طعام پر قرآن مجید کی تلاوت اور ایصال ثواب کا واضح ثبوت ہے۔ حضور ﷺ نے اس قربانی پر تین آیات پڑھی ہیں (سورۃ الانعام: ٧٩، ١٦٢، ١٦٣) اگر گوشت پر قرآن پڑھنا جائز ہے تو ایصال ثواب کے پکے ہوئے بکرے اور کھانے پر بھی قرآن پڑھنا جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس قربانی پر اپنا اور پوری امت کا نام لیا ہے اگر غیر اللہ کا نام لینے سے کھانا حرام ہو جاتا تو نبی کریم ﷺ اُس بکرے پر پوری اُمت کا نام کبھی نہ لیتے۔

١٤- حج اور وسیلہ کا ثبوت: مؤذن رسول حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مزدلفہ کی صبح ارشاد فرمایا: اے بلال لوگوں کو خاموش کراؤ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے اس مجمع پر فخر فرماتا ہے فَوَهَبَ مُسِیْئَکُمْ لِمُحْسِنِکُمْ اور اس نے تمہارے گنہگاروں کو نیکوں کی طفیل بخش دیا ہے وَاَعْطٰی مُحْسِنَکُمْ مَا سَاَلَ اور تمہارے نیکوں نے جو مانگا عطا کر دیا ہے اب اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔ (ابن ماجہ حدیث ٣٠٢٤ کتاب المناسک باب الوقوف بجمع) اس سے معلوم ہوا کہ نیکوں کی صحبت فائدہ مند ہے دنیا میں کام آتی اور آخرت میں بھی اسی لئے حاجی سے دعا منگوانے کا

حکم ہے اور حاجی چار سو آدمیوں کی شفاعت کرے گا۔ (ترغیب حدیث نمبر ۱۶۵۳ رواہ البزار) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم حاجی سے ملو تو اسے سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنی دعائے مغفرت کے لئے کہو کیونکہ وہ بخشا ہوا ہے۔ (احمد ۶۰۷۷ مشکوۃ حدیث ۲۵۳۸ کتاب المناسک الفصل الثالث) یعنی حاجی تمہارا وسیلہ بن گیا تو رب کی رحمت کے دروازے کھل جائیں گے جب حاجی کی یہ شان ہے کہ اس نے جس کے لئے دعا کر دی وہ بخشا جائے گا تو اولیاء کرام اور انبیاء کرام کی کیا شان ہوگی۔

جب بھی مانگو وسیلے سے نبی کے مانگو
اس وسیلے سے کرم اور بھی بالا ہوگا
لا ورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

نیکوں کی طفیل بُروں پر کرم:

اس حدیث کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے

حضرت سیدنا ابوعبداللہ جوہری فرماتے ہیں کہ ایک سال میں عرفات کے میدان میں تھا کہ میری ذرا سی آنکھ لگی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اترے ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس سال کتنے آدمیوں نے حج کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ چھ لاکھ آدمیوں نے مگر ان میں سے قبول صرف چھ ہی آدمیوں کا ہوا ہے۔ یہ بات سن کر مجھے بہت ہی رنج ہوا دل چاہا کہ اپنی حالت پر پھوٹ پھوٹ کر رو دوں۔ اتنے میں پہلے فرشتے نے دوسرے سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ، جن کا حج قبول نہیں ہوا، کیا معاملہ کیا؟ دوسرے فرشتے نے کہا کہ کریم نے نظر کرم فرمائی اور چھ مقبولین کی طفیل چھ لاکھ کا حج بھی قبول فرما لیا ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے اور وہ اپنا فضل جسے چاہے عطا فرمائے وہ بڑا فضل والا ہے۔

واللہ وہ سن لیں گے فریاد کو پہنچیں گے

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طواف کے دوران میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صرف درود و سلام پڑھ رہا ہے میں نے اسے کہا تجھے کوئی دعا یاد نہیں تو صرف درود شریف ہی پڑھ رہا ہے۔ یا اس کی کیا حکمت ہے اس نے کہا دعائیں تو مجھے یاد ہیں لیکن بات یہ ہے کہ میں اور میرا باپ حج کے لئے نکلے تو میرا باپ راستہ میں بیمار ہو کر فوت ہو گیا تو کچھ وقت کے بعد ان کا چہرہ سیاہ ہو گیا میں نے ان کا چہرہ کپڑے سے ڈھک دیا اور بہت غمگین ہوا کہ میرے والد مسافری کی حالت میں فوت ہو گئے ہیں میں لوگوں سے ان کا حال نہیں چھپا سکوں گا میں اسی حالت میں بیٹھا تھا کہ مجھے نیند آ گئی اور میں سو گیا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک خوبصورت آدمی جس کا چہرہ نورانی کپڑے نہایت سفید اور اس سے خوشبو کے حلے آ رہے ہیں تشریف لائے اور میرے والد کے منہ کپڑا اٹھا کر اپنا ہاتھ ان کے چہرے پر پھیرا تو ان کا سفید نورانی ہو گیا پھر وہ واپس جانے لگے تو میں نے ان کا دامن پکڑ لیا اور کہا یہ تو فرمایئے آپ کون ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ میرے والد پر اس جنگل میں احسان فرمایا ہے انہوں مسکرا کر فرمایا میں محمد رسول اللہ صاحب قرآن ہوں تیرا باپ بہت گنہگار تھا اور مجھ پر درود و سلام بھی بہت پڑھتا تھا تو جب اس پر یہ مصیبت پڑی تو اس نے مجھ سے فریاد کی تو میں اس کی فریاد کو پہنچا اور میں ہر اس آدمی کی فریاد کو پہنچتا ہوں جو مجھ پر درود و سلام کی کثرت کرے۔ روض الریاحین

صدائیں درووں کی آتی رہیں گی
جنہیں سن کے میرا دل شاد ہوتا ہے
خدا آباد رکھے اہل سنت کو
محمد ﷺ کا میلاد ہوتا رہے گا

حضور نقش لاثانی قدس سرہ النورانی کا پہلا سفرِ حج و زیارت

حضور مفکر اسلام ؒ علی مرقدہٗ

کے بود یارب کہ رو در طیبہ و بطحا کنم
گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

کون ایسا مسلمان ہے جسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کا شوق نہ ہو۔ حج مبرور کی فضیلت میں حضور خواجہ کونین ﷺ نے فرمایا:

الحج یغسل الذنوب کما یغسل الماء الدنس

اور اپنی روضہ اطہر کی زیارت کا ثواب یوں فرمایا:

من زار قبری وجبت له شفاعتی

اگر خدانخواستہ اور کوئی فائدہ نہ بھی ہو، یہی کیا کم ہے کہ جس قبلے کی طرف روزانہ منہ کر کے نماز پڑھتا ہے، اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی حسرت پوری ہو رہی ہے۔ پھر مدینہ منورہ وہ مقدس مقام ہے جو محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کی جلوہ گاہ ہے۔ ان دونوں مقامات پر دل و دماغ کے دریچے وا ہوتے ہیں، فکر و نظر کو جلا ملتی ہے، سینہ کو انشراح کی دولت عطا ہوتی ہے اور مدینہ منورہ تو خصوصاً رحمت گڑھ، راحت آباد اور سرور نگر ہے۔ کائنات کا دولھا علیہ التحیۃ والثناء یہاں تخت نشیں ہے اور یہ خود کائنات کا صدر مقام ہے۔

جس طرح نماز کی ترتیب والفاظ یکساں ہونے کے باوجود سب نمازی برابر نہیں بلکہ ہر شخص اپنے خلوص، ذوق و سجود، خشوع و خضوع اور ظرف کی وسعت کے مطابق اس کے انوار حاصل کرتا ہے، یونہی حج و زیارت کا شوق حاصل کرنے والا بھی اپنے صدق نیت، کمال شوق، صفائے قلب اور تزکیہ روح کے مطابق یہوں سے تجلیات وصول کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل حج انہی اللہ والوں کا ہوتا ہے جو اس کے اسرار سے آگاہ ہوتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ نے کشف المحجوب میں ایک پر لطف اور بصیرت افروز حکایت لکھی ہے، ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''ایک شخص حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ بولا حج ''کر کے'' (پھر یہ سوال و جواب ہوئے)

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ: جب تو گھر سے نکلا اور وطن سے کوچ کیا تو کیا اپنے گناہوں سے بھی کوچ کیا یا نہیں؟

حاجی: حضور یہ تو نہیں کیا۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ: تو پھر تُو گھر سے نکلا ہی نہیں۔ اچھا، جب تو نے گھر سے نکل کر مختلف منزلیں طے کیں تو کیا طریقت کے مقام بھی طے کئے کہ نہیں؟

حاجی: اس کا مجھے علم ہی نہیں تھا۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ تو پھر تُو نے منزلیں بھی طے نہیں کیں۔ اچھا، جب تو نے میقات میں احرام باندھنے کے لئے پہلے کپڑے اتار دیئے تھے، کیا صفات بشریت سے بھی علیحدگی اختیار کی تھی۔

حاجی: حضور یہ بھی نہیں ہوا۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ: تو پھر تو نے احرام بھی نہیں باندھا۔ اچھا، جب تو نے عرفات میں وقوف کیا، کیا تجھے کشف و مشاہدہ کا فرق معلوم ہوا۔

حاجی: حضور یہ بھی نہیں ہوا۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ: تو گویا تُو عرفات میں کھڑا ہی نہیں ہوا۔ اچھا، تو مزلفہ پہنچ کر تو نے اپنی تمام نفسانی مرادیں ترک کردیں؟

حاجی: نہیں، آقا! نہیں

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ: تو گویا تو مزدلفہ بھی نہیں پہنچا۔ اچھا، جب تو نے طواف بیت اللہ کیا، کیا سر کی آنکھ سے مقام تنزیہ میں جمال حق کے لطائف دیکھے؟

حاجی: حضور! مجھے یہ تمیز ہی نہیں تھی۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ: تو گویا طواف بھی نہیں کیا۔ ہاں یہ بتا کہ صفا و مروہ کی سعی میں صفا کا مقام اور راہ حق میں گزرنے کا درجہ معلوم ہوا؟

حاجی: نہیں، آقا! نہیں۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ: تو تُو نے صفا و مروہ بھی نہیں کی۔ ہاں بتا، منیٰ میں تیری ہستی فنا ہوئی۔

حاجی: نہیں حضور، مقامِ فنا حاصل نہیں ہوا۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ: تو گویا تو منیٰ بھی نہیں گیا۔ اچھا، قربانی کرتے وقت اپنی نفسانی خواہشات کو بھی قربان کیا۔

حاجی: نہیں، ایسا نہیں ہوسکا، حضور!۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ: تو تُو نے قربانی بھی نہیں کی۔ اچھا، جب تو رمی جمار (یعنی شیطان کو پتھر مارے) میں مصروف تھا۔ اپنی خواہشات پر بھی پھینکیں۔

حاجی: نہیں، حضور والا!

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ: تو تُو نے رمی بھی نہیں کی بلکہ حج ہی نہیں کیا۔ جا، واپس جا اور ایسا حج کر جیسا میں نے بتایا ہے۔ اسی صورت میں سنتِ ابراہیم علیہ السلام پر عمل کرنے کا حق ادا کر سکے گا۔

فرمائیے ان حضرات کے حج کی حقیقت کون سمجھ سکتا ہے۔ وصل کی باتیں اہل وصل ہی جانتے ہیں، دوسرے کیا اور کیوں لب کشائی کریں۔ ہم اہلِ ظاہر تو ظاہر تک ہی محدود ہیں۔ چنانچہ سیدی حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ کے دل میں بیت اللہ اور بیت الرسول کی حاضری کا جو اشتیاق تھا، ہم اس کی کیفیت کیا جانیں، اصل میں حج تو یہی ہے۔ رہ گیا ظاہر تو اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ حضور نے ۱۹۴۹ء میں ہوائی جہاز کے ذریعے پہلا حج کیا۔

سجادہ نشینی کے بعد کے کچھ حالات آپ کے سامنے ہیں یعنی ابتداء اسلام کی تبلیغ اور تحریک پاکستان کے لئے رابطہ عوام مہم، پھر انتخابی سرگرمیاں، پھر جلد ہی قیام پاکستان اور مہاجرین کی آبادکاری کے ساتھ جہاد بالسیف کا اہتمام۔ اب کچھ فراغت ملی تو سفر حج وزیارت کی تیاری شروع ہوئی۔ ممکن ہے انتخابات کے دوران یہ منت بھی مان لی ہو کہ منزل مقصود (پاکستان) ملتے ہی حج وزیارت کی سعادت حاصل کی جائے گی۔

حاجی محمد مقبول احمد صاحب کی روایت کے مطابق حج کی درخواست منظور ہوگئی تو اطلاع ملتے ہی حضور کراچی تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر حضور کے حرم محترم کی ہمسفری کا پروگرام بھی بن گیا اور حج پر زوجین کریمین علیہما الرحمہ روانہ ہوگئے۔

کراچی کے قیام کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن حضور حاجی صاحب موصوف سے فرمانے لگے 'سنا ہے مولوی حکم دین صاحب بھی حج کرنا چاہتے ہیں۔ آؤ اسٹیشن کی طرف چلیں اور ڈھونڈیں۔ شاید مل جائیں' حاجی صاحب وہاں پہنچ کر ایک طرف کو نکل گئے اور خود حضور سیدھے مولوی

صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ وہ سو رہے تھے، اٹھایا تو دیکھا کہ کسی جیب کترے نے آدھی سے زیادہ جیب کاٹ ڈالی تھی مگر رقم بحمد للہ ابھی محفوظ تھی۔ انہیں اپنی قیام گاہ پر لایا گیا۔ حاجی صاحب مقبول احمد صاحب سے کپڑے لے کر انہیں پہنائے اور ان کے اپنے کپڑے دھلائے۔ ان کی رقم کم تھی اسی لئے شاید انہیں ٹکٹ دینے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ کمی بھی پوری کر دی اور منظوری لے کر انہیں ٹکٹ بھی خرید دیا۔ اس طرح وہ بھی حج سے محروم نہ رہے۔ (حضور تشریف لے گئے تو انہیں بعد میں کسی دوسرے جہاز میں سیٹ ملی)

مولوی صاحب مذکور بھی، عرصہ ہوا، وفات پا چکے۔ کوئی ہمسفر بھی سامنے نہیں، جس سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کا تفصیلی حال معلوم ہو۔ البتہ اتنی بات خود حضور علیہ الرحمہ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی (اور وہ بھی ۱۹۷۶ء والے حج میں) کہ اس پہلے حج میں مجھے خانہ کعبہ کے اندر نفل پڑھنے کی سعادت بھی ملی تھی۔

ظاہر ہے کہ مکہ معظمہ کے بعد کائنات کے آقا، دوعالم کے داتا حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ واکمل الثنا کے دَربارِ دُربار میں حاضری ہوئی ہو گی اور دو جہان کی برکتیں، سعادتیں اور رحمتیں اپنے دامن دل میں سمیٹ لی ہوں گی۔

اس عظیم و مبارک سفر کے بعد واپس تشریف لائے تو اردو، فارسی اور پنجابی کے بلند پایہ شاعر حضرت مولانا محمد عبدالحق صابرؔ آف دودے والی علیہ الرحمہ نے جو بہت بڑے عالم دین اور مصنف بھی تھے، آپ کی بارگاہ میں قصیدہ تہنیت پیش کیا جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

﴿قصیدہ تہنیت﴾

بہ تشریف آوری از حج مبارک حضور صاحبزادہ پرنور سید علی حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی مسند آرائے دربارِ لاثانی

سیدا! اے جانِ جاں خوش آمدی — سرورا روحِ رواں خوش آمدی
حج بیت اللہ را کردی ادا! — اے امیر حاجیاں خوش آمدی
زائر بیت الٰہی ، مرحبا ! — پیشوائے زائراں خوش آمدی
کعبہ اسلام را دیدی بجا! — کعبہ اسلامیاں خوش آمدی
کعبہ ما سوئے کعبہ رفتہ بود — قبلہ و کعبہ جاں خوش آمدی
کعبہ از دیدار تو شاداں شدہ — تو زِ کعبہ شادماں خوش آمدی
مکیاں را روئے تو حج آمدہ! — تو بشرف حج شاں خوش آمدی
سینہ از حبِ مدینہ بد تپاں — شد تمنا بہر آن خوش آمدی
سینہ ات مثل مدینہ گشت نور — از مدینہ آنچناں خوش آمدی
غالب آمد حبِ مدنی دردلت — شد مرادت ضوفشاں خوش آمدی
دیدن طیبہ بطیّب خاطرت — طیب و طاہر ازاں خوش آمدی
روئے تو طیب کنندہ ناظراں — کن مرا طیب چوجاں خوش آمدی
روضہ محبوبِ حق را دیدہ — ناظرِ اعلیٰ مکاں خوش آمدی
روضہ محبوبِ آں جنت نشاں — زائرِ باغِ جناں خوش آمدی
خوش کلامی کن ز سفر باصفا — کن بیاں خوش داستاں خوش آمدی
شرح کن از دارِ محبوبِ جہاں — اے حبیبِ خوش بیاں خوش آمدی
سبز گنبد را زیارت کردہ ای — شرح دہ مارا ازاں خوش آمدی
صابر پر غم جدا کن زوالم — غمگسار بیکساں خوش آمدی

فضل الرحمٰن کا چیئرمین کشمیر کمیٹی انتخاب

جہاد کشمیر اور کشمیر کاز سے ظالمانہ مذاق

ازقلم حقیقت رقم: محمد احمد قادری نورانی

سوال یہ ھے کہ جو ڈاکٹر مریض کے خلاف ھو وہ مرض کا علاج کیسے کرسکتا ھے؟

مولانا فضل الرحمٰن بھی پاکستانی سیاست کے کوچہ ملامت کے وہ مسافر ہیں جن کا قول وفعل، کردار وعمل اور شخصیت ہمیشہ متنازعہ اور ابن الوقتی کی مظہر رہی ہے۔ دینی اور مذہبی سیاست کے اسرار ورموز کیا ہیں اور اصول وتقاضے کیا کہتے ہیں ان تمام باتوں سے قطع نظر حزب اختلاف میں رہ کر اقتدار کی سیاست کے گر کوئی مولانا فضل الرحمٰن سے سیکھے۔ مولانا نے ہر دور میں اختلاف کی سیاست کی لیکن مزے ہمیشہ اقتدار کے لوٹے، انہوں نے ہمیشہ حکومت اور حکومتی کارکردگی کو تنقید کا نشانہ بنایا لیکن درپردہ حکومت اور حکومتی اقدامات کی تائید وحمایت جاری رکھ کر کبھی بھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔

''مولانا فضل الرحمٰن سیاست کے مے خانے میں ''رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت بھی نہ گئی'' وہ آئیڈیل ازم اور عملی سیاسی تقاضوں کو نہ صرف خلط ملط نہیں ہونے دیتے بلکہ بے وقت کی راگنی پر بھی اپنا وقت ضائع نہیں کرتے، مولانا طالبان کے ہیرو بھی ہیں اور اینٹی طالبان لابی کے بھی آئیڈیل، وہ جب چاہیں امریکہ کے خلاف آگ لگا دیں اور جب چاہیں اِس آگ پر ٹھنڈی بالٹی انڈیل سکتے ہیں، مولانا موجودہ کشمیر کے حق میں بھی ہیں اور اسی ناطے بحیثیت سرکاری ایلچی بھارت کے غیر سرکاری دورے کو بھی بہت اہم جانتے ہیں، نواز شریف کے ہیرو ہیں اور پرویز مشرف اُن کو اپنا آدمی سمجھتے ہیں، قائد حزب اختلاف بھی ہیں اور سرکاری ہیلی کاپٹر کو بھی محبوب سواری جانتے ہیں، فضل الرحمٰن جمعیت علمائے اسلام (ف) کے جمگھٹے میں ہوں تو ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ سے کم پر راضی نہیں ہوتے، باہر ہوں تو جنرل پرویز مشرف کی اقتدار پسندی اور روشن خیالی کو بھی حرام نہیں کہتے، بس مکروہ سمجھتے ہیں، وہ فوجی سیٹ اپ کے یکسر مخالف بھی ہیں اور موجودہ سیٹ اپ میں وزیراعظم بننے کے خواہشمند بھی، مولانا فضل الرحمٰن واحد سیاستدان ہیں جو ایک ہی وقت میں پانچ مختلف رنگوں کی گیندیں ہوا میں اچھالنے کے ماہر ہیں اور اُن میں سے کسی کو بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے، اِنہی خصوصیات کی بنا پر ہم مولانا فضل الرحمٰن کو محض ایک سیاستدان ہی نہیں بلکہ ون مین پولیٹکل آرمی سمجھتے ہیں''۔

یہ وہ خوبصورت، جامع اور ہمہ گیر تبصرہ ہے جو گذشتہ سال بین الاقوامی نشریاتی ادارے بی، بی، سی نے مولانا کی سیاسی بصیرت، معاملہ فہمی اور دوراندیشی اور موقع شناسی اور ابن الوقتی پر کیا تھا، دینی اور مذہبی سیاست کے اسرار ورموز کیا ہیں اور اصول وتقاضے کیا کہتے ہیں، اِن تمام باتوں سے قطع نظر حزب اختلاف میں رہ کر اقتدار کی سیاست کے گر کوئی مولانا فضل الرحمٰن سے سیکھے، مولانا نے ہر دور میں اختلاف کی سیاست کی لیکن مزے ہمیشہ اقتدار کے لوٹے، وہ ہمیشہ کہتے نظر آئے کہ ''اقتدار عزیز نہیں، جمہوری اصولوں کی پاسداری چاہتے ہیں'' لیکن جمہوری اصولوں کی پاسداری اور اقتدار سے دوری کیلئے وہ ہمیشہ اُس کولیشن کا حصہ رہے جو اقتدار پر قابض رہی، اُنہوں نے ہمیشہ حکومت اور حکومتی کارکردگی کو تنقید کا نشانہ بنایا لیکن درپردہ حکومت اور حکومتی اقدامات کی تائید وحمایت جاری رکھ کر کبھی بھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا، سیاسی حوالے سے ہمیشہ اُن کی گفتگو تحفظات اور خدشات کے گرد گھومتی نظر آتی ہے، مگر درحقیقت یہ تحفظات اور خدشات اپنے مفادات کے تحفظ اور بقاء کیلئے ہوتے ہیں، شاید انہی خوبیوں کی وجہ سے لوگ انہیں مولانا ڈیزل جیسے خوبصورت القابات سے بھی یاد کرتے ہیں، عین ممکن ہے کہ آپ ہماری رائے سے اختلاف کریں اور اسے کسی سیاسی یا مذہبی مخاصمت

کا شاخانہ بھی قرار دیں، لیکن حقیقت، حقیقت ہوتی ہے اسے زیادہ دیر تک تحفظات اور خدشات کے پردے میں دبایا اور چھپایا نہیں جا سکتا، ویسے تو جناب عالی ہم اِس قسم کے اختلافی موضوع جس سے سیاسی مخاصمت اور مذہبی منافرت کی بو آئے حاشیہ آرائی پسند نہیں کرتے اور نہیں چاہتے کہ اِس قسم کے نازک اختلافی موضوعات (جو عقیدت مندانہ اور شخصیت پرستانہ مزاج پر ناگوار گزرے) کو زیر گفتگو لایا جائے، مگر کیا کیا جائے کہ جب سے ہم نے یہ خبر پڑھی ہے کہ "مولانا فضل الرحمٰن کو بلا مقابلہ کشمیر کمیٹی کا چیئرمین منتخب کر لیا گیا" اُس کے بعد سے آنے والی مسلسل رنگ برنگی خبروں نے ہمیں مجبور کر دیا کہ ادب و احترام کے دائرے میں رہ کر اِن خبروں پر حقیقت پسندانہ تبصرہ کیا جائے، لیکن قبل اِس کے کہ ہم اِن خبروں کو زیر گفتگو لائیں آپ کے سامنے ایک ممتاز صحافی جناب صغیر قمر صاحب کی رائے بطور آغاز گفتگو پیش کرنا چاہتے ہیں، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "اللہ خیر کرے مولانا فضل الرحمٰن کشمیر کمیٹی کے چیئرمین بن چکے ہیں اور نو منتخب صدرِ پاکستان ستمبر کے آخر تک کشمیر پر خوشخبری کا اعلان بھی کر چکے ہیں، اگر چہ آصف علی زرداری کے اعلان کے بعد ریاست جموں و کشمیر کی قیادت کلی طور پر اِس طرح کی کسی بھی "خوشخبری" کو محض خوش فہمی قرار دے چکی ہے، حریت کانفرنس کے دونوں دھڑوں نے متفقہ طور پر حق خود ارادیت کا کوئی بھی متبادل مسترد کر دیا ہے، مولانا فضل الرحمٰن کا چیئرمین بن جانا اِس لئے بھی حیرت کا باعث نہیں کہ وہ بھی "این، آر، او" کے ذریعے پیپلز پارٹی سے استفادے کیلئے میدان میں کودے ہیں، حیرت اِس بات پر ہے کہ جموں و کشمیر کی حیثیت کے حوالے سے ماضی میں اُن کے خیالات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں" جناب صغیر قمر صاحب لکھتے ہیں کہ "1993ء میں اپنے دو صحافی دوستوں کے ہمراہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کیلئے گیا، یہ وہ دن تھے جب پاکستان میں میاں نواز شریف کی حکومت ختم کر کے عبوری سیٹ اپ بنایا گیا تھا، نگراں وزیر اعظم بلخ شیر مزاری کی نگراں کابینہ میں وزارت مذہبی امور کا منصب مولانا محمد خان شیرانی کو نصیب ہوا تھا، چنانچہ وہ سرکاری وفد کی قیادت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچے، اِس وفد میں جہاں حریت کانفرنس کے رہنما شریک تھے، وہاں جماعت اسلامی آزاد جموں و کشمیر کے امیر عبدالرشید ترابی، انجینئر سلیم اللہ خان، اور سابق ڈپٹی چیئرمین سینٹ فضل آغا بھی شامل تھے، انہی ایام میں مقبوضہ کشمیر کے سابق وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ بھی بھارتی وفد کی قیادت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچ گئے، اُن کا وفد عرب لیڈروں سے مل کر یہ تاثر دے رہا تھا کہ اگر عربوں یا دیگر مسلمانوں نے کشمیریوں کی حمایت کی تو بھارت کے 25 کروڑ مسلمان اکیلے رہ جائیں گے، پاکستان ہاؤس مکہ میں حج وفد کے ارکان نے ایک میٹنگ طلب کی، جس میں ہم تین دوستوں کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی، اِس اجلاس میں یہ بات زیر بحث تھی کہ ریاست جموں و کشمیر میں حالیہ تحریک (یہ عروج کے دن تھے) اور بھارتی مظالم سے دنیا کو کیسے آگاہ کیا جائے اور یہ کہ جو وفد سرکاری خرچ پر حج کرنے آیا ہے، یہ دنیا بھر سے آئے ہوئے حجاج کو کس طرح کشمیر کی صورتحال کی طرف متوجہ کرے، ایک دو افراد کی رائے تھی کہ پاکستان کا یہ وفد مختلف ملکوں کے نمائندہ وفود سے ملے، ابھی حج میں چار پانچ دن باقی ہیں لہٰذا اِن ایام کا صحیح مصرف ہونا چاہیے، جماعت اسلامی آزاد کشمیر کے امیر عبدالرشید ترابی نے اِس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے مزید تجویز دی کہ رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر حج کیلئے آنے والوں سے آج ہی ملاقاتیں شروع کی جائیں، ابھی اُن کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ پاکستانی وفد کے سربراہ مولانا محمد خان شیرانی جلال میں آ گئے، انہوں نے دوٹوک انداز میں کہا "ہم یہاں عبادت کرنے آئے ہیں، ہمارے وفد کا کام کوئی قضیہ حل کرانا نہیں"، اُن کی بات پر سینئر صحافی سلطان سکندر نے کہا "مولانا یہ حج وفد تو اِس لئے بھیجا گیا کہ پاکستان کی نمائندگی کریگا اور کشمیر کے حوالے سے آگاہی پیدا کرنا ہمارا فریضہ ہے" اِس کے بعد مولانا کا جلال دیکھنے کے قابل تھا، وہ بہت ساری گفتنی نا گفتنی کہتے چلے گئے اور بیشتر لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے، اُنہوں نے حضرت قائد اعظم کی شخصیت، پاکستان کے قیام کی حقیقت اور مسئلہ کشمیر کی حیثیت پر طویل خطبہ دیا اور قائد اعظم اور تحریک پاکستان پر اپنی جماعت کے 1947ء کے زمانے والے خیالات پیش فرما دیئے، جب وہ متحدہ ہندوستان کے حامی تھے اور اُن کے خیال میں قومیں اوطان سے بنتی تھیں، مولانا شیرانی کا کہنا تھا کہ نہ پاکستان بنتا، نہ مسئلہ کشمیر پیدا ہوتا، اُس کے بعد مسئلہ کشمیر، کشمیریوں اور تحریک آزادی کے حوالے سے انہوں نے اسے محض "پانی کا مسئلہ" قرار دے کر بحث سمیٹتے ہوئے کہا "میں یہاں صرف عبادت (جو کہ سرکاری خرچ پر تھی) کیلئے آیا ہوں، جن کو زیادہ تکلیف ہے، وہ مسئلہ کشمیر حل کرا لیں، وہ مزید بہت کچھ کہنا چاہ رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور پاکستان ہاؤس کے ایک اہلکار نے ایک کاغذ دروازے سے اندر پھینکتے ہوئے چیخ کر کہا "پاکستان میں میاں نواز شریف کی حکومت سپریم کورٹ نے بحال کر دی ہے اور موجودہ کابینہ ختم" مولانا شیرانی نے جھپٹ کر وہ کاغذ پکڑا اور آہستہ آہستہ اُن کے چہرے پر پسینے کے قطرے ابھرنے لگے، اب وہ وزیر نہیں رہے تھے، ایک صاحب جو خاصی دیر سے بحث سن رہے

تھے، مولانا کی وزارت ختم ہوتے دیکھ کر درشت لہجے میں بولے "مسئلہ کشمیر سے جو بھی بے وفائی کرے گا اُس کا حشر یہی ہوگا" یہ کہہ کر وہ دروازے سے نکل گئے اور اپنے پیچھے بھرپور قہقے چھوڑ گئے، سب ہنس رہے تھے لیکن وفد کے سربراہ دور کہیں خلاؤں میں گم تھے، یادش بخیر مولانا محمد خان شیرانی کے امیر مولانا فضل الرحمٰن کشمیر کمیٹی کے چیئرمین بنے ہیں تو ماضی کا یہ واقعہ ذہن کے دریچے پر آ دھمکا، چاولوں کی دیگ میں سے ایک چاول ہی سہی، لیکن اُس سے آپ کو پوری دیگ کا ذائقہ معلوم ہوسکتا ہے، حضرت مولانا فضل الرحمٰن کا سیاست میں کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں، وہ ایک فطین سیاستدان ہیں، ہر معاملے میں کودنے سے پہلے ایک بیلنس شیٹ تیار کر کے نفع نقصان کا حساب کر کے فیصلہ کرتے ہیں، مجلس عمل کی صوبہ سرحد حکومت، بلوچستان میں حصہ اور خود مولانا مرکز میں قائدحزب اختلاف کی حیثیت سے ایک متنازعہ شخصیت رہے ہیں"۔

مولانا فضل الرحمٰن نے ہر دور میں اقتدار کے مزے لوٹے اور مراعات یافتہ عہدوں کا حصول مولانا کا محبوب مشغلہ رہا، وہ بے نظیر بھٹو کے دوسرے دورِ حکومت میں خارجہ امور کی کمیٹی کے چیئرمین رہے، پرویز مشرف کی مارشل لاء کے تحت وجود میں آنے والی اسمبلی میں قائدحزب اختلاف رہنے والے اور جنرل پرویز مشرف کے فوجی دور حکومت کو آئینی تحفظ فراہم کرنے والی آئین کی سترہویں آئینی ترمیم کو منظور کرانے میں اہم کردار ادا کرنے والے مولانا فضل الرحمٰن آج کشمیر کمیٹی کے چیئرمین ہیں، جمعیت علمائے اسلام کے وابستگان اور ہمدردوں کیلئے یہ بات یقیناً فخر کا باعث ہوگی کہ قادیانیوں کے خلاف مہم میں پیش پیش رہنے والی جماعت کے قائد مولانا فضل الرحمٰن اپنے دل کا علاج اور انجیو پلاسٹی پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ کے ذاتی دوست اور معالج ایک قادیانی ڈاکٹر، ڈاکٹر مبشر احمد سے کرانا جائز سمجھتے ہیں، جمہوریت، پارلیمنٹ کی بالادستی اور آئین و قانون کے راگ الاپنے والے یہ وہی مولانا فضل الرحمٰن ہیں جو 9 مارچ 2007ء کو چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی معطلی کے غیر قانونی اقدام پر شاہراہ دستور پر شرمندہ شرمندہ دیکھے گئے اور 3 نومبر 2007ء کے غیر آئینی آمرانہ اقدام پر معزز عدلیہ کے ججز کے خلاف دل کا غبار نکالتے نظر آئے، اپنی مدت پوری کرتی ہوئی اسمبلیوں سے جنرل پرویز مشرف کے غیر آئینی اور غیر قانونی انتخاب کے موقع پر متحدہ مجلس عمل کے متفقہ فیصلے کے مطابق قومی وصوبائی اسمبلیوں سے بیک وقت استعفیٰ دینے کے حوالے سے بھی مولانا کا دورخی کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں، آئینی اور قانونی موشگافیوں، تحفظات اور خدشات کا تذکرہ کر کے حکومتوں کو بلیک میل کرنے والے مولانا فضل الرحمٰن کا وطیرہ رہا ہے کہ جائز وناجائز کسی بھی طریقے سے اعلیٰ حکومتی عہدوں کو حاصل کیا جائے، اُن کی اِس حرکت سے خود اُن کے ساتھی بھی نالاں ہیں، اسی وجہ سے اُن کے دیرینہ ساتھی مولانا عبدالغفور حیدری نے وزارتوں کی بندر بانٹ پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے خود وزارت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور ساتھ ہی مولانا فضل الرحمٰن پر کروڑوں روپے رشوت لے کر سینیٹر اعظم سواتی کو وزارت مذہبی امور دینے کا الزام بھی عائد کیا ہے، دوسری طرف خود موجودہ حکومت بھی مولانا کی بلیک میلنگ کی وجہ سے سخت پریشان ہے اور اُس نے مولانا پر واضح کر دیا ہے کہ صدارتی انتخاب میں حمایت پر وعدے کے مطابق مولانا کو کشمیر کمیٹی کا چیئرمین بنا دیا گیا ہے، لہٰذا مزید وزارتوں کیلئے اُسے بلیک میل نہ کیا جائے جبکہ باخبر ذرائع کا کہنا ہے کہ صدارتی الیکشن میں حمایت پر جے یو آئی کے قائد مولانا فضل الرحمٰن کی جانب سے وزارت مذہبی اُمور، دفاع، خارجہ اور کشمیر کمیٹی کی وزاروں کیلئے حکومت سے ڈیل ہوئی تھی، جس کے تحت مولانا کو کشمیر کمیٹی کا چیئرمین بنادیا گیا ہے، جبکہ باقی وزارتوں کے حصول کیلئے مولانا سرتوڑ کوششوں میں مصروف ہیں، باخبر ذرائع کا یہ بھی کہنا ہے کہ مولانا حکومت پر یہ بھی دباؤ ڈال رہے ہیں کہ اُنہوں نے قبائلی علاقوں میں جاری آپریشن پر حکومت کی حمایت نہیں کی ہے، اِس لیے اِس آپریشن کو جاری رکھنے کیلئے انہیں مزید وزارتیں دی جائیں، لیکن حکومت نے اُن کے دباؤ کو بلیک میلنگ قرار دے کر فی الوقت مزید وزارتیں دینے سے انکار کر دیا ہے۔

ایک مقامی روزنامہ مولانا کی شخصیت اور کردار کے حوالے سے اپنے اداریے میں لکھتا ہے کہ "جمعیت علمائے اسلام (ف) دیوبندی مکتبہ فکر کی نمائندہ سیاسی جماعت ہے، اِس کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن (اخبار کے بقول) اپنے وقت کے عالم دین اور سیاسی رہنما مفتی محمود کے فرزند ہیں، مگر حیرت انگیز طور پر انہوں نے اپنی سیاست کی شناخت اصولوں کے بجائے وقتی مفادات کیلئے سودے بازی کو بنایا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب پوری قوم جنرل پرویز مشرف کے ہاتھوں چیف جسٹس سے جبری استعفے کی کوشش اور اُن کے ساتھ بدسلوکی پر سراپا احتجاج بن گئی، مولانا فضل الرحمٰن کے ضمیر نے اُس وقت بھی مصلحت کوشی کی راہ اختیار کی، حتیٰ کی لندن میں ہونے والی کل جماعتی کانفرنس میں وہ واحد شخص تھے جس نے چیف جسٹس کی بحالی کے مطالبے کے حوالے سے تحفظات کا اظہار کیا، جنرل پرویز مشرف کے دور میں حقوق نسواں بل کی بعض دفعات کے اسلام کے صریحاً متصادم ہونے

کی بناء پرانہوں نے ٹی وی پر پوری قوم کے سامنے اعلان کیا کہ اگر بل منظور ہوگیا تو وہ اور اُن کی جماعت کے تمام ارکان اسمبلی استعفےٰ دے دیں گے اور پارلیمنٹ سے باہر آ کر تحریک چلائیں گے، اِس سے پہلے وہ اور اُن کے ساتھی نواب اکبر بگٹی کے قتل پر بھی مجرموں کے خلاف کارروائی نہ ہونے کی صورت میں اسمبلیوں سے استعفے دینے کا اعلان کر چکے تھے، مگر اُن دونوں موقعوں پر مولانا فضل الرحمٰن اور اُن کے ساتھیوں نے بعد میں استعفے نہ دے کر اپنی بے اصولی کا مظاہرہ کیا۔ اسلام کے علمبردار مولانا فضل الرحمٰن اور پختون روایات کے امین ہونے کے دعویدار اسفند یار ولی نے آصف علی زرداری صاحب کی مسلسل بدعہدی کی تمام تفصیلات سے پوری طرح آگاہ ہوجانے کے بعد بھی صدارتی انتخاب میں اُن ہی کی حمایت کا فیصلہ کیا، اخبار لکھتا ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن علمائے کرام کے ایک بڑے مکتبہ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں، اس لئے اُن کے رویئے نے بجا طور پر یہ سوال پیدا کر دیا ہے کہ کیا پاکستان کے علمائے دین کی نگاہ میں بھی اِس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والے اِس ملک کا سربراہ ایسے شخص کو ہونا چاہیے جو کم از کم یہ کہہ کر اپنے وعدے توڑتا ہو کہ یہ کوئی قرآن وحدیث تو نہیں جسے بدلا ہی نہ جا سکے، اگر علمائے کرام ہی دینی اور اخلاقی قدروں کا تحفظ نہیں کریں گے تو پھر اور کس سے اِس کی امید لگائی جائے، حقیقت یہ ہے کہ اصولوں کی پاسداری اور اقدار کے بجائے سیاست کی جو مثال علماء کی جماعت کو پیش کرنی چاہیے تھی وہ آج نواز شریف اور اُن کے ساتھی پیش کررہے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ رائے عامہ کے تمام جائزوں میں اُن کی مقبولیت سب سے زیادہ ہے''۔

ہم یہاں مقامی روزنامے کے اداریئے پر اِس سے زیادہ تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کہ مولانا فضل الرحمٰن بھی پاکستانی سیاست کے کوچہ ملامت کے وہ مسافر ہیں جن کا قول وفعل، کردار وعمل اور شخصیت ہمیشہ متنازعہ اور ابن الوقتی کی مظہر رہی ہے، سیاست کے اِس کوچہ ملامت میں مولانا کے قدم اگر لڑکھڑا گئے تو اِس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں، اِس کوچے میں تو بڑے بڑے صاحب کردار لوگوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، سیاستدان تو سیاستدان ہی ہوتا ہے وہ کبھی بھی گھاٹے کا سودا نہیں کرتا، مولانا فضل الرحمٰن بھی سیاستدانوں کے اُسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جو ہار کر بھی جیت جانے اور فائدہ اٹھانے کا گُر جانتے ہیں، ہم خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ مولانا فضل لرحمٰن کا تعلق حضرت قائداعظم محمد علی جناح اور قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی طرح اصول پسندی اور کردار کی پختگی کے حامل سیاستدانوں میں سے نہیں، جو اپنے اعلیٰ وارفع اصولوں سچے نظریات اور بے داغ کردار وعمل کو اپنی قوت کا مرکز ومحور بنا کر زندگی کے کمزور اور نازک لمحوں میں بھی اپنے اُجلے اور بے داغ دامن پر حرص وطمع اور غرض ولالچ کا داغ نہیں لگنے دیتے، مولانا فضل الرحمٰن کا قول وفعل، کردار وعمل جیسے قابل فخر افعال واعمال سے کیا واسطہ اگر ہوتا تو کشمیری مجاہدین کی تنظیم جمیعت الجاہدین مولانا کو کشمیر کمیٹی کا چیئرمین بنانے پر احتجاج کرتے ہوئے اسے جہاد کشمیر اور کشمیر کاز سے ظالمانہ مذاق قرار نہیں دیتی، بہرحال جمیعت الجاہدین کچھ بھی کہے، ہم اِسے مولانا کے نام فضل کا فضل ضرور سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے مولانا ہر دور میں فائدے میں رہے اور آج کشمیر کمیٹی کے چیئرمین ہیں۔

آخر میں، ہم جناب صغیر قمر صاحب کی اِس رائے سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے اجازت چاہتے ہیں کہ ''ایسے حالات میں جبکہ مملکت خداداد سنگین ترین حالات سے دوچار ہے اور ریاست جموں وکشمیر میں آزادی کی تحریک ایک نئی بھرپور لہر کے ساتھ اٹھی ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ بھارتی جبر کے خلاف اِس قدر نفرت کے ساتھ لاکھوں لوگ گھروں سے نکلے ہیں، بھارت ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت کشمیر کی قیادت کو راستے سے ہٹا رہا ہے، جیلوں اور عقوبت خانوں میں ہزاروں کشمیری گذشتہ انیس، بیس برسوں سے ظلم کا شکار ہیں، ایسے کڑے وقت میں جب کہ ریاستی عوام کی پاکستان سے امیدیں اور تمنائیں کئی گنا بڑھ گئی ہیں، کشمیر کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے مولانا فضل الرحمٰن کا انتخاب کیا رنگ لاتا ہے؟ کیا وہ کچھ دے سکیں گے یا صرف لینے کے بات ساتھ لائے ہیں؟ آنے والے دنوں میں سب کچھ سامنے آجائے گا، اگرچہ گذشتہ پانچ برسوں میں حامد ناصر چٹھہ کی قیادت میں کشمیر کمیٹی نے صرف مراعات حاصل کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا، یقین ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن بھی کچھ نہیں کر پائیں گے، اس لئے کہ جو ڈاکٹر مریض کے خلاف ہو وہ مرض کا علاج کیسے کرسکتا ہے؟

علامہ شاہ احمد نورانی کی 1973ء کے دستور کو اسلامی رنگ دینے کیلئے

آئینی و پارلیمانی جدوجہد

(تحریر:۔محترمہ جویریہ بتول قادری کراچی)

==

قیام پاکستان کے بعد دستور سازی کا مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ پیچیدہ اور حساس معاملہ بن کر سامنے آیا، تحریک پاکستان کے آخری دور میں بعض رہنماؤں کی طرف سے اس بات پر بہت زور دیا گیا کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم کیا جارہا ہے، جس کی وجہ سے تحریک پاکستان کے اس فیصلہ کن اور اہم موڑ پر مذہبی ذہن رکھنے والوں کی واضح اکثریت نے اپنا وزن پاکستان کے حق میں ڈال دیا، مذہبی قیادت روایتی طور پر علمائے اکرام اور مشائخ عظام کے ہاتھوں میں تھی، قیام پاکستان کے بعد علماء کرام کو واثق امید تھی کہ اسلام کے نام پر حاصل ہونے والے اس ملک میں اسلامی نظام نافذ ہوگا، لیکن صورتحال اس کے برعکس ہوئی، اس صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے علمائے کرام اور مختلف دینی جماعتوں نے حکومت پر زور دینا شروع کیا کہ وہ ملکی قانون کو قرآن وسنت کی روشنی میں از سر نو وضع کرے، 7 مئی 1948ء کو جمعیت علمائے پاکستان اور جمعیت مشائخ کے زیر انتظام یوم شریعت منایا گیا، چنانچہ 12 مارچ 1949ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد منظور کی، جو پاکستان کے آئین کی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے، اپریل کے وسط میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی قائم کی گئی، تاکہ آئین کے بنیادی اصولوں کو مرتب کرے، کمیٹی نے اپنے کام کو بہتر بنانے کیلئے کئی ذیلی مجالس کے علاوہ تعلیمات اسلامیہ کا ایک بورڈ بھی نامزد کیا، تاکہ آئین کے بنیادی اصولوں کو وضع کرنے میں یہ کمیٹی رہنمائی کرے، 16 اکتوبر 1950ء کو دستور ساز اسمبلی نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی مرتب کردہ عبوری رپورٹ منظور کرلی، اگرچہ اس رپورٹ میں تجویز کیا گیا تھا کہ قرارداد مقاصد کو ملکی آئین سازی میں رہنما اصول مانا جائے گا، تاہم رپورٹ کی دوسری شقوں سے علمائے کرام مکمل طور پر مطمئین نہیں تھے، چنانچہ 21 نومبر کو اس رپورٹ کو واپس لے لیا گیا، اور ایک ذیلی کمیٹی بنائی گئی تاکہ وہ آئین کے اسلامی اصولوں کے مرتب کرنے میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رہنمائی کرے، اس دوران جنوری 1951ء میں کراچی میں اکتیس (31) علمائے کرام جن کا تعلق مختلف مکتبۂ فکر سے تھا کا اجلاس ہوا، اجلاس نے اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے متفقہ طور پر بائیس (22) نکات منظور کیئے، جن کو بعد ازاں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی قائم کردہ ذیلی کمیٹی کو بھیج دیا گیا، اپریل 1953ء میں ایک عبوری آئین کو تیار کرنے کی کوششیں کی گئیں، 21 ستمبر 1954ء کو دستور ساز اسمبلی نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی مرتب کرکے آئینی رپورٹ منظور کی جس پر جمعیت علمائے پاکستان نے عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ ملکی آئین کو قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی بنیاد پر مرتب کیا جائے، اس سے پہلے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی اس آئینی رپورٹ کو منظور کرتی، 24 اکتوبر کو آئین ساز اسمبلی کو توڑ دیا گیا، جس پر علمائے کرام نے شدید احتجاج کیا، 14 اگست 1955ء کو جمعیت علمائے پاکستان کی اپیل پر پورے ملک میں اسلامی آئین کے فوری نفاذ کے مطالبے کے حق میں مظاہرے کیئے گئے، 10 دسمبر سے 12 دسمبر 1955ء کو لاہور میں جمعیت علمائے پاکستان نے آل پاکستان سنّی کانفرنس منعقد کی، جس میں اس نے حکومت سے چار مطالبے کیئے،

(۱) ملک میں اسلامی دستور نافذ کیا جائے (۲) اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا جائے

(۳) ملک کا سربراہ لازمی طور پر مسلمان ہو، اور (۴) قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنایا جائے،

23 مارچ 1956ء کو ملک کا پہلا دستور نافذ کیا گیا، جس کا دینی جماعتوں نے خیر مقدم کیا، جبکہ جمعیت علمائے پاکستان اسے اس کی اصل روح کے مطابق نافذ دیکھنا چاہتے تھے، 7 اکتوبر 1957ء کو ایوبی مارشل لاء کے نفاذ نے اس آئین کو ختم کر دیا، ملک میں تمام سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر کے سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا گیا، لیکن اس دوران دینی جماعتوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور انہوں نے محراب منبر کے ذریعے عوام سے اپنا رابطہ برقرار رکھا، فروری 1960ء میں نئے آئین کی تشکیل کیلئے ایک کمیشن قائم کیا گیا جس نے عوام کی رائے معلوم کرنے کیلئے چالیس سوالوں پر مشتمل ایک سوالنامہ جاری کیا، اس سوالنامے کا جواب دیتے ہوئے جمعیت علمائے پاکستان کے ناظم اعلیٰ علامہ سیّد احمد سعید کاظمی نے واضح کیا کہ آئین کی بنیاد قرآن وسنّت پر قائم ہونی چاہیے اور ایک مدت مقرر کی جائے جس سے پہلے تمام غیر اسلامی قوانین کو قرآن وسنّت کی روشنی میں وضع کر لیا جائے، اور پاکستان کا سربراہ لازمی مسلمان ہوگا، یکم مارچ 1962ء کو جو آئین نافذ کیا گیا اس میں آئینی کمیٹی کی سفارشات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا، اور محکمہ اوقاف، مسلم فیملی لاز آرڈیننس علمائے کرام اور ایوب خان کے درمیان ہمیشہ وجہ تنازعہ بنے رہے، یہاں تک کہ مارچ 1969ء میں جنرل آغا محمد یحییٰ خاں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن گئے اور ایک بار پھر ملک میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی، جو یکم جنوری 1970ء کو اٹھائی گئی، مارچ 1970ء میں لیگل فریم ورک آرڈر کا نفاذ ہوا جس میں دیگر باتوں کے علاوہ پاکستان کی علاقائی سالمیت، قومی وحدت، اور اسلامی نظریہ حیات کے تحفظ کا عزم کیا گیا، دسمبر 1970ء کے انتخابات میں دینی جماعتوں نے 313 کے ایوان میں مجموعی طور پر صرف اٹھارہ (18) نشستیں حاصل کیں، جس میں جمعیت علمائے پاکستان کی 7، جمعیت علمائے اسلام کی 7 اور جماعت اسلامی کی 4 نشستیں شامل تھیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اکثریتی جماعتوں اور پیپلز پارٹی پر زور دینا شروع کر دیا کہ پاکستان کا آئندہ آئین اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مرتب کیا جائے، 14 اپریل 1972ء کو عبوری آئین کی منظوری کے بعد ملک سے مارشل لاء اٹھالیا گیا اور 17 اپریل 1972ء کو مستقل دستور کی تیاری کیلئے ایک پچیس (25) رکنی کمیٹی قائم کر دی گئی، جس میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے ارکان اسمبلی بھی شامل تھے، جمعیت علمائے پاکستان کے پارلیمانی قائد علامہ شاہ احمد نورانی اس کمیٹی کے رکن تھے، آپ نے آئین ساز کمیٹی کی کاروائیوں میں باقاعدگی سے حصہ لیا، اور اس بات پر زور دیا کہ پاکستان کے مستقل آئین کی بنیاد قرآن وسنّت اور علمائے کرام کے جنوری 1951ء میں مرتب کردہ بائیس نکات پر رکھنی چاہیے، آپ اس سے قبل عبوری آئین کی حیثیت اور آئین میں مسلمان کی تعریف کی شمولیت پر قومی اسمبلی میں بھرپور اظہار خیال کر چکے تھے، علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی پاکستان کی پارلیمانی اور آئینی تاریخ کے پہلے سیاستدان تھے، جنہوں نے سب سے پہلے آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کرنے کا مطالبہ کیا تھا، اور آپ نے آئین سازی کیلئے قائم کمیٹی میں سب سے پہلی ترمیم ہی مسلمان کی تعریف اور ریاست کا سرکاری مذہب اسلام قرار دینے سے متعلق پیش کی، مستقل آئین کی تیاری کیلئے آپ نے تین بنیادی باتیں ہمیشہ دہرائیں،

(۱) پارلیمانی طرز حکومت (۲) ملک کا سرکاری مذہب اسلام (۳) دوایوانی مقننہ

علامہ شاہ احمد نورانی نے ہمیشہ جمہوری پارلیمانی طرز حکومت کی حمایت کی کیونکہ وہ نظام مصطفیٰ کے قیام کیلئے پارلیمانی نظام حکومت کو موجودہ دور میں موثر ترین نظام سمجھتے تھے، آمرانہ نظام اور فرد واحد کی ڈکٹیٹر شپ میں اسلام تصور شورائیت کا عنصر نظر نہیں آتا ہے اس لیے مولانا جب پارلیمانی نظام حکومت کی بات کرتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے نظام مصطفیٰ نافذ ہو، آپ نے یہ تجویز بھی دی کہ ہمارے آئین کی بنیاد قرآن وسنّت پر استوار ہونی چاہیے، ملک کے آئین میں یہ شق لازمی موجود ہونا چاہیے کہ جو مسلمان مذہب سے منحرف ہوگا اسے سزائے موت دی جائے گی، آپ نے واضح کیا کہ ہماری جماعت غیر اسلامی آئین کو ہرگز قبول نہیں کرے گی، اس لیے کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم

ہوا ہے، تاکہ مسلمان دین اسلام کی اصل روح کے مطابق طرز حیات اپنائیں، اور اس ملک کے باشندوں کو پورا اختیار ہے کہ وہ اسلامی آئین کا مطالبہ کریں، ہم اسمبلی کے باہر اور اندر مستقل جدوجہد کریں گے، اور غیر اسلامی آئین کی ہر کوشش کی ڈٹ کر مخالفت کی جائے گی، آئین سازی کیلئے قائم کی گئی کمیٹی میں حزب اختلاف کے ارکان نے اپنی اپنی آئینی تجاویز پیش کیں، اور اس سلسلے میں اپوزیشن اور بھٹو کے درمیان مذاکرات ہوئے ان مذاکرات میں علامہ شاہ احمد نورانی نے اپنی آئینی تجاویز کے بارے میں بھٹو کو تفصیل سے آگاہ کرکے انہیں قائل کرلیا، اور بھٹو جیسا ذہین سیاستدان بھی مولانا نورانی کی آئینی تجاویز میں نقص نہیں نکال سکا، نتیجتاً آئین سازی کے ضمن میں ایک ایسا فارمولا مرتب کیا گیا جس سے حزب اقتدار اور حزب اختلاف نے اتفاق کیا اور 20 اکتوبر 1972ء کو اس فارمولے کی روشنی میں ایک آئینی سمجھوتہ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان طے ہوا، اس آئینی سمجھوتے میں ان متفقہ امور کی نشاندہی کی گئی تھی جن کے مطابق آئین سازی کی جانی تھی، اس آئینی سمجھوتے پر جمعیت علمائے پاکستان کی طرف سے علامہ شاہ احمد نورانی، جمعیت علمائے اسلام کی طرف سے مفتی محمود، اور جماعت اسلامی کی طرف سے پروفیسر عبدالغفور نے دستخط کیئے، اس موقع پر علامہ شاہ احمد نورانی نے اس آئینی سمجھوتے کے حوالے سے فرمایا کہ ''آئین کے جن بنیادی اصولوں کے بارے میں سمجھوتہ ہوا ہے اگر چہ وہ سب کے سب قابل تعریف ہیں، لیکن اسلامی دفعات اور خاص طور پر صدر مملکت کیلئے مسلمان ہونے کی لازمی شرط بہت اطمینان بخش ہے'' آئینی سمجھوتے پر دستخط ہونے کے باوجود دینی جماعتوں نے آئین کو مزید اسلامی رنگ دینے کیلئے اپنے دباؤ کو جاری رکھا اور غیر اسلامی آئین کے خلاف تحریک چلانے اور اسے نامنظور کرنے کا برابر اعلان کرتی رہیں، علامہ شاہ احمد نورانی آئین سازی میں کتنی دلچسپی لے رہے تھے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے آئین کی 280 دفعات میں 208 ترامیم پیش کیں، 31 دسمبر 1972ء کو آئینی کمیٹی نے قانون ساز اسمبلی میں اپنی حتمی رپورٹ پیش کی، علامہ شاہ احمد نورانی نے اس پر اختلافی نوٹ لکھا، جس میں آپ نے جداگانہ طریقہ انتخاب کی حمایت کی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ تمام ناجائز مال و دولت کو ضبط کیا جائے، اور صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات کے درمیان توازن پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا، 30 جنوری 1973ء کو ریڈیو اور ٹیلی وژن پر اپنی نشری تقریر میں علامہ شاہ احمد نورانی نے حکومت کو مورد الزام ٹہراتے ہوئے کہا کہ حکومت اکتوبر 1973ء کے آئینی سمجھوتے کی خلاف ورزی کررہی ہے، کیونکہ اسمبلی میں جو مسودہ آئین پیش کیا گیا ہے وہ اس سمجھوتے کے صریحاً خلاف ہے، سمجھوتے میں اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے تو اب اس کیلئے قانون سازی کی ضرورت ہے، لیکن اسلام کے نفاذ اور تمام غیر اسلامی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کیلئے اور ان کو موثر نافذ کرنے کی کوئی ضمانت دستور میں نہیں دی گئی ہے، اسلامی نظریاتی کونسل کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ ایک غیر موثر ادارہ ہے، کیونکہ اس کا کام صرف مشورہ دینا ہے اور وہ بھی اگر حکومت چاہے تو ورنہ اسے ازخود کسی قانون کو غیر اسلامی قرار دینے کا اختیار نہیں ہے، علامہ شاہ احمد نورانی نے ارتداد کی سزا مقرر نہ کرنے اور غیر اسلامی قوانین کو چیلنج نہ کرسکنے پر بھی سخت تنقید کی اور خیال ظاہر کیا کہ آئینی سمجھوتے میں جو دفعات اسلام اور اسلامی قوانین کیلئے رکھی گئی تھیں، ان کو آئینی سمجھوتے کے بعد دستوری مسودہ تیار کرتے وقت بالکل ختم کردیا گیا، اور اس کی بنیادی وجہ حکومت کا اسلامی آئین کے نفاذ سے فرار اختیار کرنا ہے، آپ نے آئینی سمجھوتے کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے واضح کیا کہ کس طرح حکومت نے آئینی سمجھوتے کی دھجیاں بکھیریں ہیں، آپ کے خطاب میں تمام عوامل کی نشاندہی موجود تھی جو صاف ستھری جمہوریت کو پروان چڑھانے کیلئے انتہائی ضروری تھے، اپنی جماعت اور اپنے حوالے سے آپ نے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان خدا کی عطا کی ہوئی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور ہمارا فرض ہے کہ تمام سیاسی وابستگیوں سے بالاتر ہوکر نظام مصطفیٰ کی روشنی میں اس ملک کو ایک سچی فلاحی ریاست بنانے کی کوشش کریں، 3 مارچ کو جمعیت علمائے پاکستان کے زیر انتظام یوم اسلامی دستور منایا گیا اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ مسودہ آئین کو جمہوری اور اسلامی رنگ دیا جائے اور مستقل آئین کی منظوری کے بعد ملک میں عام انتخابات کرائے جائیں، کیونکہ دنیا میں یہی دستور ہے کہ نئے آئین کے نفاذ کے بعد انتخابات کرائے جاتے ہیں، جمعیت علمائے پاکستان کے ممبر قومی اسمبلی مولانا محمد ذاکر نے اپنی زیر ارادت شائع ہونے والے ماہنامہ الجامعہ میں مطالبہ کیا 1973ء کے آئین میں یہ شق بھی ہونا چاہیے کہ اگر کوئی پاکستانی مسلمان آئین میں کوئی غیر اسلامی یا غیر جمہوری شق دیکھے تو اس کو عدالت میں چیلنج کرسکے، 6 مارچ

1973ء کوعلامہ شاہ احمد نورانی نے قومی اسمبلی میں دستور پر عام بحث میں حصہ لیتے ہوئے ایک نڈر اور بے باک مبلغ اسلام کا کردار ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم زبان، ثقافت، اور علاقائیت کی بنیاد نہیں بلکہ صرف اور صرف مذہب کی بنیاد پر قومیت کے قائل ہیں، آپ نے فرمایا کہ یورپ میں کسی شرابی کوڈرائیونگ کالائسنس نہیں دیا جاتا اور اگر کوئی شراب پی کر ڈرائیونگ کرے تو اس کالائسنس منسوخ کر دیا جاتا ہے، لیکن ہمارے ایک شرابی نے شراب کی بوتل پر آدھا ملک توڑ دیا، اور دنیا کی بہترین فوج کو ذلیل فوجوں میں شمار کرا دیا، گاڑی شرابی کے ہاتھ میں ہے اس لیئے آگے چلنا محال ہے، ملک کا ڈرائیور شرابی ہوگا تو ملک کو تباہ کر دے گا'' آپ نے قومی اسمبلی میں وزیر اعظم کے بے پناہ اختیارات پر شدید تنقید کرتے ہوئے فرمایا ''اگر وزیر اعظم کو زیادہ با اختیار بنا دیا گیا تو ہمیں اعتراض نہیں، لیکن ہمیں اعتراض یہ ہے کہ وزیر اعظم کو لائل پور (فیصل آباد) کا گھنٹہ گھر بنا دیا گیا ہے عدلیہ کی سڑک وزیر اعظم پر آکر رکتی ہے، انتظامیہ کی سڑک کا رخ بھی وزیر اعظم کی طرف ہے، الیکشن کمیشن کی سڑک بھی اسی سمت جاتی ہے، اور فوجیوں کو کمیشن دینے کی سڑک بھی اسی گھنٹہ گھر پر پہنچ کر رکتی ہے اگر ہر شعبۂ زندگی پر وزیر اعظم کا قبضہ ہوگا تو کہنا پڑے گا کہ

ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے

اور پھر یہی سوال ہوگا کہ

انجام گلستاں کیا ہوگا''

حکومت کے خلاف مشترکہ جدوجہد کرنے کیلئے 13 مارچ 1973ء کو راولپنڈی میں حزب اختلاف کی تمام جماعتوں کا مشترکہ اجلاس ہوا، اس اجلاس میں تمام جماعتوں نے متحدہ جمہوری محاذ تشکیل دینے کا فیصلہ کیا، اس محاذ میں جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت علمائے اسلام، جماعت اسلامی بھی شامل تھیں، محاذ نے ایک بارہ نکاتی پروگرام جاری کیا، جس کا دوسرا نکتہ اسلامی جمہوری اور وفاقی آئین کی تشکیل کے بارے میں تھا، محاذ نے ایک دس رکنی کمیٹی بنائی تا کہ وہ حکومتی مسودہ آئین کا جائزہ لے اور حزب اختلاف کے نکتہ نظر سے اس میں ضروری ترامیم تجویز کرے، کمیٹی نے اپنی تجاویز و ترامیم کو حتمی شکل دینے کے بعد 16 مارچ کو حکومت کو پیش کر دیں، حکومت کی طرف سے جواب نہ ملنے پر 23 مارچ کے (سانحہ راولپنڈی جس میں متحدہ جمہوری محاذ کے جلسہ عام پر پولیس فائرنگ سے ایک درجن کے قریب افراد ہلاک اور کئی زخمی ہوئے) بعد محاذ نے قومی اسمبلی کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا، جس پر حکومت نے محاذ کی بعض تجاویز منظور کر لیں، جواباً محاذ نے بھی اپنا بائیکاٹ ختم کر دیا، اس طرح 10 اپریل 1973ء کو قومی اسمبلی نے مستقل آئین منظور کر لیا جو 14 اگست سے نافذ العمل ہونا تھا، علامہ شاہ احمد نورانی اور جمعیت علمائے پاکستان کے اراکین علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، مولانا محمد علی رضوی، اور مولانا محمد ذاکر نے آئینی بل کی حتمی رائے شماری میں حصہ نہیں لیا، اور علامہ شاہ احمد نورانی نے زیادہ تر ان شقوں کی مخالفت کی جن کے زیر اثر اسلامی دفعات، بنیادی حقوق اور عدلیہ کے نکات تھے، آپ نے بڑے واضح انداز میں دستور کو مزید اسلامی بنانے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کوٹہ سسٹم،، بنیادی حقوق اور عدلیہ کے اختیارات میں کمی کو حدف تنقید بنایا، اور اس پر اپنے اختلافی نوٹ لکھے، علامہ شاہ احمد نورانی نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب میں نے کہا کہ ''کیونکہ جمعیت کو آئینی بل کی تمام شقوں سے اتفاق نہیں تھا اس لیے ہم نے اس کے حق میں ووٹ نہیں دیا، ان کے خیال میں آئین میں دینی قوتوں کے دباؤ کی وجہ سے اسلامی رخ کا تعین تو ہو گیا مگر ابھی اس آئین کو مکمل اسلامی اور جمہوری آئین بنانا ہوگا، انہوں نے اپنی جماعت کے اس عزم کا اظہار کیا کہ ہم اس آئین کو مکمل اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد جاری رکھیں گے،'' علامہ شاہ احمد نورانی کے نزدیک ایسا آئین اسلامی نہیں ہوسکتا، جس میں اسلامی دفعات کو عدالتی تحفظ نہیں دیا گیا ہو، مسلمان کو ارتداد کی اجازت ہو، عائلی قوانین جیسے غیر اسلامی قانون کو تحفظ دیا گیا ہو اور صدر اور وزیر اعظم کی طرح مسلح افواج کے سربراہ کیلئے مسلمان ہونا لازمی قرار نہ دیا گیا ہو اور نہ ہی ایسا آئین جمہوری ہوسکتا ہے جس میں مارشل لاء کے بعض قوانین کو تحفظ دیا گیا ہو، اس لیے جمعیت علمائے پاکستان نے آئین میں مارشل لاء کے بعض قوانین کو تحفظ دیا گیا ہو، اس لیے جمعیت علمائے پاکستان نے آئین کی رائے شماری میں حصہ نہیں لیا، تاہم جمعیت نے مطالبہ کیا کہ آئین کو 14 اگست کے بجائے 12 ربیع الاوّل کے مبارک دن پر نافذ کیا جائے،

آئینی بل کی رائے شماری اور اسلامی دفعات کے حوالے سے علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری نے ایک اخباری بیان میں جمعیت علمائے پاکستان کے موقف اور پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ "ہم نے سنجیدگی کے ساتھ آئین سازی کیلئے مسلسل جدوجہد کی ہے، جمعیت علمائے پاکستان کسی مرحلہ پر بھی آئین ساز کمیٹی سے غیر حاضر نہیں رہی اور ہم نے آئین کی 280 دفعات میں حزب اختلاف کے ساتھ مل کر 208 ترامیم پیش کیں، آج بھی آئین سازی کی وسیع تر اہمیت کے پیش نظر متحدہ جمہوری محاذ کے فیصلہ پر آخری مرحلہ میں جمعیت کے پارلیمانی قائد مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا محمد علی رضوی نے دستور سازی میں شرکت کی، میں اور مولانا محمد ذاکر مختصر نوٹس کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکے، جمعیت علمائے پاکستان نے متحدہ جمہوری محاذ کے فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے اجلاس میں شرکت کی لیکن رائے شماری میں حصہ نہیں لیا کیونکہ جمعیت اس ملک میں مکمل اسلامی آئین کیلئے جدوجہد کر رہی ہے، اس لیئے ظاہر ہے کہ کسی ایسے آئین کی منظوری میں فریق نہیں بن سکتی تھی جس میں اسلامی دفعات کو عدالتی تحفظ نہ دیا گیا ہو۔۔۔۔بہرطور اب جبکہ ملک کو بھاری اکثریت سے ایک آئین مل گیا ہے، ہم اس آئین میں ان ترامیم کیلئے جدوجہد کرتے رہیں، جو اس آئین کو مکمل آئین بنانے کیلئے ضروری ہے، ہماری یہ جدوجہد مقصد کی تکمیل تک جاری رہے گی، چاہئے اس کیلئے ہمیں کتنی قربانی دینی پڑے،" (اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مستقل دستور میں مسلمان کی تعریف کس طرح شامل ہوئی ؟ از شعبہ نشر و اشاعت جمعیت علمائے پاکستان)

آئینی شقوں پر اختلاف رائے اور تحفظات کے باوجود علامہ شاہ احمد نورانی 1973ء کے آئین کے بانی ارکان میں سے تھے، آپ آئین کی تشکیل کو اپنی زندگی کا سب سے زیادہ اطمینان بخش لمحہ قرار دیتے تھے، پاکستان کی آئین سازی کی تاریخ میں پاکستان کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان"، مملکت کا سرکاری مذہب اسلام قرار دینے اور آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کرنے کا مطالبہ سب سے پہلے پیش کرنے کا سہرا علامہ شاہ احمد نورانی کے سر رہا، اور آئین میں واضح طور پر لکھا گیا کہ "State has to Defend the Islam"، علامہ شاہ احمد نورانی کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ آپ نے صرف چار (4) ممبران اسمبلی کی مدد سے دو تہائی (2/3) کی اکثریت رکھنے والے وزیر اعظم کو آئین میں اسلامی دفعات کی شمولیت پر رضامند کیا، اور اسمبلی فلور پر اسلامی دفعات کو آئینی تحفظ دلانے اور عائلی قوانین کی تنسیخ، تینوں مسلح افواج کے سربراہوں کیلئے مسلمان ہونے کی شرط، صدر اور وزیر اعظم، گورنرز، چیف جسٹس ارکان سینٹ و قومی و صوبائی اسمبلی کے حلف ناموں کی منظوری اور فتنۂ ارتداد کو روکنے کی ضمانت حاصل کرنے کی کوششیں بھی آپ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ تھیں، علامہ شاہ احمد نورانی نے پارلیمانی جدوجہد کے دوران پاکستان کے دستور کو دو قومی نظریے سے ہم آہنگ کرنے کی بھرپور جدوجہد کی، شاید یہ بات آپ کے علم میں ہو کہ 1973ء کے دستور میں علامہ شاہ احمد نورانی نے مشرقی پاکستان کو پاکستان کے اکثریتی حصہ کے طور پر منوایا اور اس بات کو دستور کا حصہ بھی بنوایا، لیکن بھٹو صاحب نے اپنے ہی دور حکومت میں بنائے گئے آئین میں سب سے پہلی ترمیم ہی بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کیلئے کی، اور یوں بھٹو صاحب نے اس پہلی آئینی ترمیم کے زریعے علامہ شاہ احمد نورانی کا آئین میں رکھوایا گیا تصور مشرقی پاکستان مٹادیا، اگر چہ 1973ء کا آئین مکمل طور پر اسلامی آئین نہیں کہا جاسکتا، لیکن علامہ شاہ احمد نورانی اور دیگر علمائے کرام کی کوششوں اور کاوشوں کی بدولت اس آئین میں بعض اہم اسلامی شقیں شامل کر لی گئیں، جس سے آئین میں نفاذ اسلام کیلئے مضبوط بنیادیں فراہم ہوئیں، اس طرح وہ کیمونسٹ اور سوشلسٹ عناصر جو پاکستان کو کیمونزم اور سوشلزم کی آماجگاہ بنانا چاہتے تھے اپنے مقاصد میں بری طرح ناکام ہوگئے، 1973ء کے آئین کی منظوری کے بعد وزارت عظمٰی کے انتخاب کے موقع پر بھٹو کے آمرانہ مزاج کی وجہ سے کوئی بھی شخص ان کے مدمقابل وزیر اعظم کا الیکشن لڑنے کیلئے تیار نہ تھا، اور خود بھٹو بھی بلا مقابلہ وزیر اعظم منتخب ہو کر دنیا کو اپنی طاقت دکھانا چاہتے تھے، ایسے وقت میں علامہ شاہ احمد نورانی نے یہ جانتے ہوئے کہ حزب اختلاف نہ ہونے کے برابر ہے اور شکست یقینی ہے، صرف جمہوری اقدار کی سربلندی کیلئے حزب اختلاف کے فیصلے کے مطابق بھٹو کے مقابلے میں جرات اور بہادری سے وزارت عظمٰی کا الیکشن لڑا اور 32 ووٹ حاصل کر کے ذوالفقار علی بھٹو کی بلا مقابلہ وزیر اعظم منتخب ہونے کی خواہش کو خاک میں ملا دیا۔

......☆☆......

Monthly Mujallah AL-HAQIQA November 2008
Reg.No. C.P.L.168

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جل جلالک یا رب العلمین

علیک الصلوٰۃ والسلام یا رحمۃ للعلمین

حضور پرنور سرکار رحمۃ للعلمین ﷺ کے غلاموں سے

اپیل ہے کہ

قربانی کی کھالیں

زیر تعمیر نقشِ ثانی اسلامک یونیورسٹی

کو عنایت فرمائیں۔

برائے رابطہ

0300-7764560, 03007766223,03007770633,
0301-6898650,0300-7123402-0542-451997

منجانب **شیران اسلام پاکستان**